یعنی

صداقتِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرآنی دلائل

مؤلف

انصر رضا

کلامِ الٰہی

﴿ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ

قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ ۙ

وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ ☆ ﴾ الرعد۔13:44

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں کہ تُو مُرسل نہیں ہے۔ تُو کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ بھی (گواہ ہے) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَکَ

اَوْ عَلَیْکَ

(مسلم کتاب الطهارة)

قرآن حجّت ہے، تمہارے حق میں بھی اور تمہارے خلاف بھی

فرمانِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

”خدا تعالیٰ کے الہام اور وحی سے کہتا ہوں وہ جو آنے والا تھا وہ میں ہوں۔ قدیم سے خدا تعالیٰ نے منہاجِ نبوّت پر جو طریق ثبوت کا رکھا ہوا ہے وہ مجھ سے جس کا جی چاہے لے لے۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ۔39)

وجه تاليف

غور وفکر، تدبّر واجتہاد کے دروازے اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر بند کر کے مسلمانوں نے اجتماعی خودکشی کی جوالم ناک کوشش کی ہے اس پر جتنے بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ کتاب الٰہی کی قدیم تفسیروں کو سینے سے لگائے رکھنے اور انسانی کلام کو اس پر فوقیت دینے کے سبب زوال وپستی کا ایک ایسا دور شروع ہوا جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ اس پر مستزاد علماء کی باہمی مناقشات نے عام مسلمان کے دل سے دینی ماخذوں کا اعتبار گنوادیا۔ اب لوگ کنارے پر کھڑے ہو کر گہرے علوم کے اس سمندر کا نظارہ تو کر لیتے ہیں لیکن اس میں اترنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا۔ غنیمت یہ ہے کہ دین اسلام پر ان کا اعتقاد باقی ہے اگرچہ یقین سے خالی ہے۔ حدیثوں کا اعتبار تو بہت حد تک اٹھ چکا، جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اسکا بھی صرف احترام باقی ہے، اس کے قابل عمل ہونے کا یقین کب کا جاچکا ہے۔

اسی احترام کے بھروسے خاکسار نے یہ کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اس کتاب مقدس میں سے، جس کے اب تک حرفاً حرفاً محفوظ ہونے کا عقیدہ ان میں آج تک قائم ہے، اس دروازے کی کنجی پیش کروں جس میں داخل ہو کر وہ دین و دنیا کی فلاح حاصل کر سکتے ہیں اور اس مقصد کو پانے میں ممدومعاون ثابت ہو سکتے ہیں جس کیلئے دینِ اسلام نازل کیا گیا ہے۔ کامیابی کے دروازے کو کھولنے والی یہ کنجی جو اس کتاب الٰہی میں پوشیدہ ہے وہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی شناخت اور آپؑ کی صداقت پر ایمان لانا اور اس الٰہی مشن میں آپؑ کی حمایت ونصرت کرنا ہے جس کے بغیر ہم نجات کی طرف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔ ہماری کامیابی اس امام زمانہ کی معرفت اور اطاعت سے مشروط کر دی گئی ہے۔ یہی وہ حصن حصین ہے جس میں داخل ہو کر ہم نہ صرف درندوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں بلکہ ان پر کامیاب حملے کر کے انہیں نیست ونابود بھی کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ میری یہ کوشش صرف اس دروازے کی طرف نشاندہی کرنے کیلئے ہے جو اس نظام اور سلسلہ میں داخل کر سکتا ہے جس کا نام جماعت احمدیہ ہے اور جو خدا نے اپنے ہاتھ سے اس دور میں قائم کیا ہے۔ اس سے زیادہ اس مقالے کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ خاکسار قرآن مجید کا طالب علم ہے اور سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے، آپؑ اور آپؑ کے خلفاء کی تحریروں سے اپنے ظرف اور اوقات کے مطابق فیضیاب ہو کر اس کامل یقین کا حامل ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر ہم فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کاوش کا نام میں نے **سلطان القرآن** رکھا ہے۔ یہ اُردو زبان میں میری تیسری تصنیفی کاوش ہے۔ پہلی کتاب سلطان نصیر کے نام سے منظر عام پر آئی جو لاہور کے ایک معاند احمدیت ایڈووکیٹ کی کتاب 'نزول مسیح آخر کیوں' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ دوسرا مقالہ سلطان القلم کے نام سے تھا جسے مقالہ نویسی کے سالانہ مقابلوں میں اول انعام ملا۔ حسن اتفاق سے زیرِنظر مقالے کے نام میں بھی سلطان کا لفظ آ گیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے نزدیک سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت میں قرآنی دلائل وشہادت پر مبنی مقالے کا نام شہادۃ القرآن سے بہتر اور کوئی نام نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ نام خود سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک کتاب کا ہے جو الٰہی تصرف سے لکھی گئی۔ چنانچہ میری کاوش تو وہ نام نہیں پا سکتی تھی چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک لہٰذا دلائل اور گواہی کے معانی رکھنے والے الفاظ پر میں نے غور کیا تو مجھے لفظ'' **سلطان** '' سوجھا جو اتفاق سے میری پہلی دو تحریروں کے نام میں بھی شامل تھا۔ چنانچہ میں نے اس کاوش کا نام '' **سلطان القرآن** '' یعنی صداقتِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرآنی دلائل رکھنا

مناسب خیال کیا۔

میری تازہ ترین شائع شدہ تصنیف انگریزی زبان میں ہے جس کا نام MANJI - ANOTHER PAWN ADVANCED ہے۔ یہ کتاب سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہٗ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے مطابق ارشاد مانجی کی کتاب The Trouble with Islam Today کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ جب حضورِ انور کا یہ ارشاد موصول ہوا تو مکرم ومحترم مولانا نسیم مہدی صاحب نے اس ناچیز پر حُسنِ ظن کرتے ہوئے اس کا جواب لکھنے کو کہا۔ الحمدللہ یہ کتاب جماعت میں پسند کی گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے آقا ومولا سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہٗ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ یوکے 2007 میں اپنے خطاب کے دوران خاکسار کا نام لے کر اس کتاب کا ذکر فرمایا۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک

ایک وضاحت خصوصیت کے ساتھ کرنا چاہونگا کہ قرآنی علوم بیحد وسیع اور گہرے ہیں۔ اس لئے اس کے معانی ومعارف کسی ایک شخص، ایک جماعت بلکہ ایک دور تک محدود نہیں کئے جاسکتے۔ ہر دور کے تشنگانِ علم، چاہے وہ کتنے ہی ترقی یافتہ اور ماڈرن دور میں جی رہے ہوں، اس چشمہ سے سیراب ہوسکتے ہیں۔ میری یہ کاوش قرآنی علوم کی ایک ہلکی سی جھلک کہلائی جاسکے تو یہی میری نجات کا باعث ہوگا اور یہی میری کامیابی بھی۔ اس ہلکی سی جھلک کا تمام تر کریڈٹ بھی مجھے نہیں بلکہ میرے آقا ومولا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس مسیحی نفس کو جاتا ہے جس نے ہم جیسی بے جان چڑیوں کو طاقت پرواز دیدی اور پھر آپؑ کے مقدس صحابہؓ اور آپؑ کے مشن کے حامل اور اسے آگے بڑھانے والے قدرتِ ثانیہ کے مظاہر خلفاءِ احمدیت کے پراثر کلمات و تحریرات میری کاوشوں کی بنیاد بنے۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔

خاکسار بزرگانِ جماعت کا تہہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے اس نالائق کو اپنی محبتوں اور شفقتوں کا مورد بنایا اور مسلسل حوصلہ افزائی کرتے ہوئے جُز وقتی خدمتِ دین کے بعد سلسلہ کا کل وقتی خادم اور واقفِ زندگی بننے کا حوصلہ بخشا اور حضورِ انور کی خدمت میں خاکسار کے وقف کی قبولیت کی سفارش فرمائی۔ اس سلسلہ میں خاکسار خاص طور پر مکرم ومحترم ملک لال خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کینیڈا، مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب، سابق نائب امیر ومشنری انچارج کینیڈا و حال نائب امیر اور مشنری انچارج ریاست ہائے متحدہ امریکہ، مکرم ومحترم مولانا مبارک احمد نذیر صاحب مشنری انچارج کینیڈا، مکرم ومحترم مرزا محمد افضل صاحب مربی سلسلہ کینیڈا کا تہہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے ہر قدم پر خاکسار کی حوصلہ افزائی فرمائی، وقف کے تقاضے اور خدمتِ دین کے اسرار ورموز سمجھائے اور خاکسار کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے عفو ودرگزر سے کام لیتے رہے۔

ان معزز شخصیات کے علاوہ کینیڈا، لنڈن مرکز اور ربوہ کی بہت سی قابلِ احترام ہستیاں ہیں جو خاکسار کے لئے رہنمائی، مدد وتعاون اور دعاؤں کا سرچشمہ بنی رہیں۔ ان میں مکرم ومحترم حافظ مظفر احمد صاحب، مکرم ومحترم مولانا سلطان محمود انور صاحب اور مکرم ومحترم مولانا منیر الدین شمس صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ٹورنٹو میں میرے ایک بڑے پیارے دوست مکرم آصف منہاس صاحب نے بڑی محنت سے پروف ریڈنگ کرنے کے ساتھ مکرم عبیداللہ علیم صاحب مرحوم کے ایک خوبصورت شعر سے نوازا جو موضوع کی مناسبت سے نگینہ کی طرح جڑ گیا۔ میرے داماد مکرم مبشر احمد قریشی صاحب نے کتاب کا سرورق بنا

کر دیا۔ لاہور کے ایک بہت ہی پیارے دوست اور احمدیت کے پر جوش و کامیاب مبلغ، جن کے ذریعہ میرے چھوٹے داماد کامران افضال خان صاحب سمیت ڈیڑھ سو کے قریب سعید روحیں احمدیت میں داخل ہو چکی ہیں، بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے خاکسار کو نہایت قیمتی مشوروں سے نوازا اور کئی نکات کو بہتر رنگ میں پیش کرنے میں مدد فرمائی۔ مجموعی طور پر احبابِ جماعت نے خاکسار کے کام کو جس طرح سراہا اور اپنی محبت اور عزت و اکرام سے نوازا اس پر خاکسار کو ہمیشہ سورۃ یٰسین میں مذکور اس شخص کی بات یاد آ جاتی ہے جس نے کہا تھا

{یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْمَلُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ}

اے کاش میری قوم جانتی جو میرے رب نے مجھ سے مغفرت کا سلوک کیا اور مجھے معزز لوگوں میں شامل کر دیا۔ (سورۃ یٰسین ۔36:27-28)

اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو دین و دنیا کی حسنات سے نوازے، صحت و سلامتی، ایمان، اخلاص، تقویٰ اور مقبول خدمتِ دین والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین!

آخر میں خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کرنا چاہوں گا کہ اس کتاب کا مقصد علمی سے زیادہ تبلیغی ہے۔ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر جماعت کے لٹریچر میں پہلے سے موجود ہیں۔ یہاں انہیں اس غرض سے یکجا کر دیا گیا ہے کہ داعیاں و مبلّغین کو صداقتِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرآنی دلائل یکجا طور پر مل جائیں اور انہیں تبلیغ میں آسانی ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے، اس میں برکت ڈالے اور اسے مسلمانوں کیلئے ایک نافع تحریر بنائے اور اس کے صدقے میں میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔

انصر رضا

معاون برائے نیشنل سیکرٹری، احمدیہ مسلم جماعت، کینیڈا

تاریک پس منظر

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں زبردست تنبیہہ فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اختلافات کا فیصلہ کلامِ الٰہی کے مطابق نہیں کرتے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں، اور فاسق ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ — اور جو اُس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ ہیں جو کافر ہیں

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ — اور جو اُس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ — اور جو اُس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں

(سورۃ المائدۃ۔5:45, 46, 48)

تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہر مسئلے کا حل اس میں سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ صد افسوس کہ مسلمانوں کی عملی زندگی اس دعویٰ کے بالکل برعکس نظر آتی ہے۔ اقتصادی، سیاسی، تعلیمی حتّٰی کہ تہذیبی معاملات تک میں قرآنی اصولوں کو بھلا کر یا تو رسوم ورواج کی پیروی کی جاتی ہے یا پھر مغرب کی۔ سورہ مائدہ کی جن آیات کو اس کتاب کے شروع میں ایک بنیاد کے طور پر بیان کیا گیا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے زبردست تنبیہہ فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اختلافات کا فیصلہ کلام الٰہی کے مطابق نہیں کرتے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں۔ اہل اسلام کی اس عملی حالت کا نقشہ قرآن مجید میں

﴿وَ اِذْ قَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا﴾

اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے (الفرقان 25:31)

کے الفاظ میں اور حدیث مبارکہ میں

{لَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُهٗ﴾

یعنی قرآن کا صرف رسم الخط باقی رہ جائیگا (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم)

کی پیشگوئی کی صورت میں ملتا ہے۔ آج مسلمانوں نے قرآنی پیشگوئی کے مطابق قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے اور حدیث کی خبر کو پورا کرتے ہوئے قرآن کے ساتھ صرف ایک رسمی تعلق باقی رکھا ہے۔ گو الفاظ قرآن تو موجود ہیں لیکن مسلمانوں میں اس کی روح مفقود ہو چکی ہے۔ مکمل ضابطہ حیات سمجھی جانے والی یہ

کتاب مسلمانوں کی عملی زندگی میں طوطے کی طرح پڑھے جانے کے سوا کچھ بھی مقام وحیثیت نہیں رکھتی۔کوئی مسلمان یہ غور وفکر اور تدبر کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا کہ ہر لحظہ بدلتی ہوئی دنیا میں باوجود چودہ سو سال قدیم کتاب ہونے کے مسلمانوں کا ساتھ دے سکتی ہے کیونکہ علیم وخبیر خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس ماڈرن زمانے میں نت نئے پیدا ہونے والے مسائل سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں یہ یقین نہیں رہا کہ حالات حاضرہ میں یہ الٰہی کتاب کوئی حل پیش بھی کرتی ہے یا نہیں اور اگر پیش کرتی بھی ہے تو کیا وہ حل آج کے جدید ٹیکنالوجی والے دور میں قابل عمل بھی ہیں یا نہیں۔

مذہبی علماء نے، جو خود قرآنی علوم سے اور اس کی روح سے نا آشنا ہیں، جدید تعلیم یافتہ طبقے سے اس پر غور وفکر کرنے کا حق چھین رکھا ہے۔جو بھی قسمت کا مارا اس کتاب مقدس پر آزادانہ غور وفکر کی سعی کرتا ہے اور اپنا حاصل مطالعہ عوام الناس کے سامنے پیش کرتا ہے تو علماء ڈٹ کر اس کی مخالفت ومزاحمت کرتے ہیں اور اس نظریئے کی افادیت جانے بغیر اسے نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے کہ تمہاری یہ مجال کہ ہماری بالا دستی مانے بغیر، جنہوں نے کئی برس مدرسوں میں صرف کر دیئے اور کئی کئی لاکھ کے کتب خانوں کے مالک ہیں، قرآنی معارف پیش کرنے کی جسارت کرو۔قرآن کا یہ عاشق یا تو کفر کے فتووں کے خوف سے دم سادھ لیتا ہے یا راندہ ءدرگاہ بن کر زمرہ اہل ایمان سے خارج ہو بیٹھتا ہے۔نتیجہ یہ کہ بہت سے انفرادی اور اجتماعی مسائل، جن کا نہایت مناسب حل قرآن مجید میں موجود ہے لیکن علماء کی ذہنی وعلمی دسترس سے پرے ہیں، آج تک لاینحل گتھیوں کی طرح امت مسلمہ کے دردمند طبقوں کے سامنے ایک مسلسل اذّیت بن کر کھڑے ہیں۔ایک معمولی تبدیلی کے ساتھ مندرجہ ذیل شعر اس حقیقت حال کی مکمل عکاسی کرتا ہے

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی   خوفِ فساد ''ملاّ'' سے ناگفتہ رہ گئے

چند سوالات

ان ناگفتہ سوالوں میں مسلمانوں کی روحانی اور دنیاوی ترقی وفلاح اور اسلام کو ایک غالب مذہب بتانے کے طریق کے سوال بھی شامل ہیں۔ نوآبادیاتی دور شروع ہونے کے بعد ان سوالوں کی اہمیت اور ان کے حل کی ضرورت شدت سے ابھر کر سامنے آچکی ہے۔ مسلمانوں کی اخلاقی، تمدنی، اقتصادی اور معاشرتی تنزّلی کا سبب کیا ہے اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟ مسلمان سلطنتیں، طاقت، وسائل اور سب سے بڑھ کر ایک اعلیٰ ترین الہامی مذہب رکھنے کے باوجود مغلوب کیوں ہیں؟ اسلام کے دشمن یکے بعد دیگرے اسلامی سلطنتوں کو اپنے تسلط میں لانے میں کیوں اور کس طرح کامیاب ہوتے جا رہے ہیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ تمام مصائب جو ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح مسلمانوں پر وارد ہو چکے ہیں ان کا اب حل کیا ہے؟ کیا اسلام کے نام پر مسلمانوں کی حکومت، چاہے وہ کتنی ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو، اس مسئلے کا حل ہے؟ کیا مذہبی علماء پر مشتمل تھیوکریٹک حکومت فلاح ونجات کا باعث بن سکتی ہے؟ کیا حجروں میں مقیم صوفی اللہ ھو کی ضربیں لگا کر کفر کا منہ پھیر سکتے ہیں؟ کیا ہمارے سیاستدان ملک وملت کا بیڑا پار لگا سکتے ہیں؟

افسوس کہ ان تمام سوالات کے جوابات یا تو مغربی نظام کی اندھا دھند تقلید میں ڈھونڈھنے کی کوشش کی گئی ہے یا علماء کے محدود اور تنگ نظر فہم اسلام میں۔ لیکن مسلمانوں کی گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی ابھی تک وہیں چکر لگا رہی ہے۔ قرآن مجید کو مکمل ضابطہ حیات سمجھنے والا مسلمانوں کا عام طبقہ جو قرآنی علوم سے ویسے ہی ناآشنا ہے اور اس کی ہر تعبیر و تفہیم میں ملا کا محتاج ہے، ان تمام مذکورہ بالا سوالات کے جوابات تلاش کرنے کیلئے قرآن مجید کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ علماء نہ تو خود اس سے حقیقی طور پر مستفیض ہونے کے اہل ہیں اور نہ ہی دوسروں کو اس کے نزدیک پھٹکنے دیتے ہیں۔

قرآن مجید جیسی اعلیٰ وارفع تعلیم کے حامل مسلمانوں کے دلوں میں تو یہ سوال ابھرنے چاہئیں کہ وہ خدا جو پچھلی قوموں کی اصلاح، رہنمائی، ہدایت اور فلاح کیلئے انبیاء کو بھیجا کرتا تھا، کیا ہماری حالت زار سے اس قدر بے پرواہ ہو چکا ہے کہ کسی بھی قسم کی ہدایت عطا کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔ کیا اس نے قرآن میں جو وعدے کئے ہیں کہ ہدایت دینا میرا ذمہ اور فرض ہے اور ہر اندھیرے کو روشنی میں بدلنا میرا کام ہے، ان وعدوں کو نعوذ باللہ بھلا بیٹھا ہے، کیا محض کتاب کا ہمارے اندر موجود ہونا اصلاح کیلئے کافی ہے اور اگر کافی ہے تو پھر پچھلی کئی صدیوں سے انسانیت مسلسل تنزّلی کا شکار کیوں ہے۔ آنحضرتؐ نے ہر صدی کے سر پر مجدد آنے کی جو خبر دی تھی وہ ہماری اس موجودہ صدی میں پوری کیوں نہیں ہو رہی؟ لیکن یہ تمام سوال عام مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلئے نہیں پیدا ہوتے کہ ملاّ نے ان کے ذہنوں پر خوف کا پہرہ بٹھا رکھا ہے کہ اب کسی بھی آنیوالے مصلح کی بات تک کرنا بلکہ سوچنا بھی کفر ہے۔

زیرنظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اہل اسلام کو اس بیمثال قرآنی حل کی طرف متوجہ کیا جائے جو جماعت احمدیہ اسلامیہ عالمگیر ایک صدی سے زائد عرصے سے لوگوں کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ اس میں ان تمام سوالوں کے جوابات از خود آجاتے ہیں جو ملت اسلامیہ کی حالت زار پر دردمند مسلمانوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ختم نبوت کی اصل حقیقت سمجھنے کی کنجی اور غلبہ اسلام کا حل بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم

ہوتا ہے کہ انسانیت کے اس طرح پستی کا شکار ہونے اور اخلاقی وروحانی اندھیروں میں گم ہوجانے پر خدا تعالیٰ کی صفت رووٴف ورحیم جوش میں آتی ہے اور ایسی ضرورت زمانہ ظاہر ہونے پر وہ مندرجہ ذیل صفات کے حامل بندوں کو منتخب کر کے انسانوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کا فریضہ سونپتا ہے۔

خدا کے منتخب کردہ ایسے مامور اپنی قوم میں ایک معزز حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی امیدوں کا مرکز ہوتے ہیں لیکن ماموریت کا دعوی کرتے ہی ان کی قوم ان سے مایوس ہوجاتی ہے۔ یہ مامورین بے داغ کردار کے مالک ہوتے ہیں اور ان تمام برائیوں سے پاک ہوتے ہیں جن میں ان کی اولین مخاطب قوم ملوث ہوتی ہے، وہ معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور رذیل طبقات میں سے نہیں ہوتے، اپنی ذاتی شان شوکت قائم کرنے کی بجائے سچے واحد خدا کی پرستش کی طرف بلاتے ہیں، کسی دنیاوی جاہ وحشمت کے مالک نہیں ہوتے، شروع میں اکیلے اور تنہا ہوتے ہیں، زمانے کے مروجہ رسوم ورواج اور عقائد کے خلاف تن تنہا آواز بلند کرتے ہیں اور اس بناء پر تمام طاقتوں کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں لیکن کمزور اور تنہا ہونے کے باوجود شکست نہیں کھاتے بلکہ روز بروز ان کی طاقت بڑھتی جاتی ہے اور ان کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جن میں اکثریت غرباء کی ہوتی ہے۔ ان کے مخاطبین ان کے ساتھ ٹھٹھا اور تمسخر کرتے ہیں، ان کا اور ان کے ماننے والوں کا مقاطعہ کرتے ہیں، ان مامورین کو جھوٹا، فریبی، دنیاوی جاہ وحشمت کا لالچی، بیرونی طاقتوں کا ایجنٹ، جادوگر، پاگل اور ذہنی بیمار قرار دیتے ہیں اور ان کی تعلیم کو خلاف عقل قرار دیکر رد کردیتے ہیں لیکن تمام مخالفین بالآخر شکست کھاتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور انسانیت ایک دفعہ پھر اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف آجاتی ہے۔

ابوسفیان کا قیصر روم سے اس کے دربار میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں جو مکالمہ ہوا اس کے آخر میں قیصر نے بڑا پرمغز اور سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے جب تم سے پوچھا کہ اس نبی کا نسب کیسا ہے تو تم نے کہا کہ وہ اعلیٰ نسب کا حامل ہے اور دستور یہی ہے کہ انبیاء اعلیٰ نسب کے ہی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے یہ پوچھا کہ دعویٰ سے پہلے اس کی زندگی کیسی تھی تو تم نے کہا کہ وہ ایک معزز اور سچا انسان مانا جاتا تھا۔ یقیناً انبیاء ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ بڑے بڑے لوگ اس کے پیروکار بن رہے ہیں یا کمزور لوگ تو تم نے بتایا کہ اس کے پیروکاروں میں غریب لوگ ہیں۔ حقیقت میں ایسے ہی لوگ انبیاء کے پیروکار ہوتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں تو تم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں۔ یقیناً سچے انبیاء کی جماعتیں بڑھا ہی کرتی ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے تو تم نے کہا کہ وہ اللہ کی عبادت کرنے، بری باتوں سے رکنے اور اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ سچے نبیوں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔

افسوس ہے ہمارے مذہبی علماء پر اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں پر کہ انہیں وہ بات سمجھ نہیں آئی جو قیصر روم کو چودہ سوسال پہلے سمجھ آ گئی تھی۔ اور وہ بھی اسی معیار کو سامنے رکھ کر اپنے زمانہ کے امام کو شناخت کر سکتے جو تاریکی اور گمراہی کے اس دور میں مبعوث ہوا جس کی نشاندہی تاریخ دانوں، دانشوروں، شاعروں، ادیبوں اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی تحریروں میں جا بجا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنّت کے مطابق اس دور میں اس مصلح کو ہدایت واصلاح خلق کیلئے مبعوث فرمایا جن کا نام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ دیگر انبیاء و مصلحین کی طرح ان کو بھی مخالفت ومزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور مذہبی رہنماؤں نے انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیدیا۔ اپنی دنیاوی زندگی میں تو قرآن کریم کا عمل دخل مسلمان پہلے ہی ختم کر چکے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ دینی معاملات میں بھی قرآن وسنّت کی بجائے علماء وفقہاء کی آراء پر، یہ پرکھے بغیر کہ یہ آراء قرآن وسنّت کے مطابق ہیں بھی یا نہیں، اندھا بھروسہ کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم ہمیں اپنے اختلافات کا فیصلہ کلام الٰہی کی روشنی میں کرنے کا حکم سناتا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو سخت

وعیدیں سناتا ہے۔اس لحاظ سے ایک مسلمان کا لازمی فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ امام زمانہ کی صداقت کی پہچان کے لئے قرآن کریم سے رجوع کرے اور خصوصًا وہ لوگ جو کتاب الٰہی کا علم رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کتاب کی روشنی میں لوگوں کو بتائیں کہ اس شخص کا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔اس کے برعکس علماء کی طرف سے عوام کو سختی سے روکا جاتا ہے کہ احمدیوں کے ساتھ قرآن وحدیث کی بنیاد پر ہرگز گفتگو اور بحث مباحثہ نہیں کرنا۔حالانکہ قرآن کریم کی تصریحات کے مطابق ہم اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنے اختلافات کا فیصلہ قرآن کریم کی روشنی میں کریں اور وہاں سے جو بھی فیصلہ ہو اسے بسروچشم قبول کریں۔مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی روشنی میں کسی نبی کی صداقت کے دو گواہ ہوتے ہیں۔ایک تو خود اللہ تعالیٰ اس نبی کی صداقت کا گواہ ہوتا ہے جو اس نبی کی صداقت میں مختلف نشانات ظاہر فرماتا ہے۔دوسرا وہ شخص اس نبی کی صداقت کا گواہ ہوتا ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہو۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ☆

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں ہے۔تو کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ بھی (گواہ ہے) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔(الرعد-13:44)

چنانچہ ہمارے پاس سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت جانچنے کے دو طریق یہی ہیں کہ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کی گواہی دیتے ہوئے خارق العادت نشانات ظاہر فرمائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم کلام الٰہی یعنی قرآن مجید کا علم حاصل کریں اور اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کریں کہ ان کا دعویٰ سچّا ہے یا غلط۔

خاکسار نے اس طریق کو اپناتے ہوئے جب قرآن کریم میں غور کیا تو دل پکار اٹھا کہ اس کلام الٰہی کی واضح تصریحات سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی مکمل تصدیق کرتی ہیں۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**۔اس قرآنی تحقیق کو خاکسار نے آسان فہم طریق پر احباب کے سامنے پیش کرنے کے لئے اسے سوال و جواب کی شکل دی ہے۔پانچ بنیادی سوالات، جو درج ذیل ہیں، تشکیل دیئے گئے ہیں جو کسی بھی مدعی نبوّت کے دعوے کو سن کر عقلی طور پر ذہن میں ابھر سکتے ہیں۔پھر ان سوالات کے جوابات قرآن کریم سے تلاش کئے گئے ہیں۔درج ذیل سوالات اور ان کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ کیا قرآن مجید کی رو سے وحی اور نبوت کا سلسلہ جاری ہے؟
۲۔ اگر نبوت جاری ہے تو کیا اس دور میں اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟
۳۔ کیا قرآن مجید میں مسیح موعود کے آنے کی خبر موجود ہے؟
۴۔ مدعی نبوت کی صداقت کا معیار کیا ہے؟
۵۔ کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معیار پر پورا اترتے ہیں؟

چند غلط فہمیاں

مندرجہ بالا سوالات کے قرآن کریم کی رو سے جوابات دینے سے پہلے ضروری ہے کہ چند اہم اور متعلقہ مسائل کے بارے میں غیر احمدی علماء کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو عوام النّاس کو مسئلہ ختم نبوّت اور امّت محمدیہ میں امکان نبوّت کا مسئلہ حقیقی معنوں میں سمجھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان مسائل میں ختم نبوت کے مختلف پہلو، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ ماموریت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی اور ان کا آنحضرت ﷺ کا امّتی ہونا، قرآنی آیات میں تقدیم و تاخیر کا مسئلہ، اتمامِ نعمت کا حقیقی معنی، غیر احمدی علماء کا متضاد عقیدہ ختم نبوّت، اور تشریعی و غیر تشریعی نبوت میں فرق جیسے موضوعات شامل ہیں۔

ختم نبوت

ختم نبوّت ان اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے جس کی تشریح میں اختلاف کی بناء پر غیر احمدی علماء جماعت احمدیہ کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوّت کا ہر طرح سے اختتام ہو چکا ہے اور اب کسی بھی قسم کا کوئی بھی نبی نہیں آ سکتا حالانکہ یہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے قائل ہیں جو ایک نبی ہیں۔ یہ علماء عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ جماعت احمدیہ ختم نبوت کی سرے سے ہی منکر ہے جبکہ پچھلے چودہ سو برس سے ختم نبوت بمعنی نبوت کا ہر طرح سے اختتام امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے اور یہ کہ اس تشریح سے سر مو انحراف کرنے والا متفقہ طور پر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ بانی جماعت احمدیہ سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات اور جماعت کا دیگر لٹریچر اس بات پر گواہ ہے کہ علماء کا یہ الزام بالکل بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ختم نبوت پر یعنی کہ آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط ایمان رکھتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ نبوّت

جماعت احمدیہ قرآن و حدیث کی بنیاد پر، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے تفصیل سے بیان کیا جائیگا، ختم نبوت کی یہ تشریح پیش کرتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد شرعی نبوت ختم ہو چکی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی اتباع سے اور آپ ؐ کی مہر لگ کر اس امت میں پیدا ہونے والا فرد غیر تشریعی نبوت پا سکتا ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ عقیدہ ہم نے اس دور میں ایجاد نہیں کیا بلکہ قرآن و حدیث کی بنیاد پر قدیم بزرگوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد شریعت والی نبوت ختم ہو چکی ہے جبکہ بغیر شریعت کے نبوت جاری ہے۔ اس دعویٰ کی تائید میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ اور مولانا قاسمؒ نانوتوی صاحب سمیت بہت سے بزرگان دین کے حوالے جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں چونکہ صرف قرآن کریم کی بنیاد پر سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو پیش کیا جا رہا ہے

اس لئے دیگر حوالہ جات کے لئے سلسلہ کا دیگر لٹریچر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ غیر تشریعی نبی ہونے کا تھا جس کو آپؑ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور جو آج بھی جماعت احمدیہ کے عقائد کی بنیاد ہے۔حضورؑ فرماتے ہیں

''یہ الزام جو میرے ذمّہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔اور جس کے معنی یہ ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعتِ اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلعم کی اقتدا اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔یہ الزام میرے پر صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوّت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے''(خط اخبارِ عام 26 مئی 1908 بحوالہ احمدیہ پاکٹ بک صفحہ 297)

''میری مراد نبوّت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتّباع سے حاصل ہے۔سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بحکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ولکل ان یصطلح''(چشمہ معرفت۔روحانی خزائن جلد۔23، صفحہ 340)

''میں اس کے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں۔اور جانتا ہوں کہ تمام نبوّتیں اس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔مگر ایک قسم کی نبوّت ختم نہیں یعنی وہ نبوّت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے وہ ختم نہیں۔کیونکہ وہ محمدی نبوّت ہے یعنی اس کا ظل ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے اور اسی سے فیضیاب ہے۔''(تجلّیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد۔20،صفحہ 411, 412)

''اور میں اُسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا اُس نے ابراہیمؑ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا اور پھر اسحٰقؑ سے اور اسمٰعیلؑ سے اور یعقوبؑ سے اور یوسفؑ سے اور موسیٰؑ سے اور مسیحؑ ابن مریم سے اور سب کے بعد ہمارے نبی ﷺ سے ایسا ہمکلام ہوا کہ آپؐ پر سب سے زیادہ روشن اور پاک وحی نازل کی ایسا ہی اُس نے مجھے بھی اپنے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بخشا۔مگر یہ شرف مجھے محض آنحضرت صلعم کی پیروی سے حاصل ہوا ہے اگر میں آنحضرت صلعم کی امّت نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ مخاطبہ نہ پاتا کیونکہ اب بجز محمدی نبوّت کے سب نبوّتیں بند ہیں۔شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امّتی ہو۔پس اسی بناء پر میں امّتی بھی ہوں اور نبی بھی۔اور میری نبوّت یعنی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ایک ظل ہے اور بجز اس کے میری نبوّت کچھ بھی نہیں وہی نبوّت محمدیہ ہے جو مجھ میں ظاہر ہوئی ہے۔اور چونکہ میں محض ظل ہوں اور امتی ہوں اس لئے آنجنابؐ کی اس سے کچھ کسرِ شان نہیں''
(تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد۔22 صفحہ 305)

''عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیّت کی چادر پہنائی گئی۔'' (کشتی نوح روحانی خزائن جلد۔19 صفحہ 16,15)

میرے اور اس کے درمیان کوئی ''نبی'' نہیں۔

جس استثنائی نبوت کا سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں ذکر فرما رہے ہیں اسی کا ذکر نبی اکرم ﷺ مندرجہ ذیل احادیث میں بیان فرماتے ہیں:

(عن ابی ہریرۃؓ)''لیس بینی و بین عیسی نبی و انّہٗ نازلٌ......'' (ابو داؤد کتاب الفتن والملاحم باب خروج الدجّال) میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں اور وہ یقیناً نازل ہوگا۔

(عن ابی ہریرۃؓ)''انا أولی الناس بابن مریم والأنبیاء أولاد علّاتٍ لیس بینی و بینہٗ نبی.....'' بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قولہ تعالیٰ ﴿واذکر فی الکتٰب مریم اذ انتبذت من اھلھا﴾

میں لوگوں میں سب سے زیادہ ابن مریم کے نزدیک ہوں اور انبیاء علّاتی بھائی ہوتے ہیں۔ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

اور اسی عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے مولوی انور شاہ کاشمیری صاحب ایک مقدمہ میں گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''بحوالہ آیات قرآنی و احادیث و اجماع امت یہ دکھلا دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ بجز اس کے کہ اس کی استثناء حضور نے خود کردی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔'' (مقدمہ بہاولپور، جلد اول۔ صفحہ 68)

غیر احمدی علماء کا متضاد عقیدہ ، ختم نبوّت

عام طور پر نبوت کے اختتام کے متعلق زیادہ تر زور احادیث پر دیا جاتا ہے اور قرآن کریم سے صرف سورہ احزاب کی ایک ہی آیت پیش کی جاتی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا☆

محمد تمہارے (جیسے) مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول ہے اور سب نبیوں کا خاتم ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

(الاحزاب۔33:41)

اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب ختم نبوت میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم کی ایک سو آیات اس عقیدے کی مؤیّد ہیں یعنی ایک سو آیات سے ان کے عقیدہ ختم نبوت کا ثبوت ملتا ہے جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مطابق قرآن کریم میں ختم نبوت کے متعلق صرف ایک یہی آیت ہے جو سورہ احزاب کی مندرجہ بالا آیت کریمہ ہے۔ رسالہ "ندائے خلافت" شمارہ ستمبر 25-19 2002ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فرماتے ہیں، "دیکھئے قرآن مجید میں ختم نبوت کی جو ایک ہی آیت سورہ احزاب میں آئی ہے۔"

آیت خاتم النبیین کے بارے میں جماعت احمدیہ کا مسلک ہے کہ اس میں جسمانی ابوّت کی نفی کی گئی ہے اور "ولٰکن" کا لفظ درمیان میں لا کر روحانی ابوّت کا اثبات کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ایک دیوبندی مولوی صاحب کا یہی عقیدہ، جس کے باوجود وہ نبوت کے اختتام کے قائل ہیں۔

> "اس [آیت خاتم النبیین] سے استدلال کرنے سے قبل ایک مقدمہ سمجھ لیجئے کہ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ "لٰکن" کے ماقبل اور مابعد میں تضاد ہوتا ہے۔ اور یہاں "لٰکن" کے ماقبل اور مابعد میں تضاد معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ باپ نہ ہونے اور رسول ہونے میں کوئی تضاد نہیں۔ حالانکہ تضاد کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید آپ ہمارے کسی بھی قسم کے باپ نہ ہوں گے۔ اس لئے آگے لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ نسبی باپ تو نہیں مگر دوسری قسم کے باپ ہیں یعنی رسول اللہ ہیں اور روحانی باپ ہیں۔ اور اگر اس مقام کی اس طرح تقریر نہ کی جائے تو کلام میں ربط پیدا نہ ہوگا جو کلام اللہ میں محال ہے۔" (احسن السوانح۔ مفتی محمد حسن صاحب کے حالات، کمالات کا جامع مرقع۔ صفحہ۔61,60۔ ناشر جامعہ اشرفیہ، لاہور)

کیا نبی معزول ہوسکتا ہے؟

جب ان علماء سے اس تضاد کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے تو 'عذر گناہ بدتر از گناہ' کے مصداق ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے ہی معزول کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے امّتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔عوام تو خیر قرآن کریم کی تعلیمات سے ناواقف ہوتے ہی ہیں لیکن علماء جو قرآن دانی اور عربی دانی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جان بوجھ کر عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی توہین کرتے ہیں کہ جس منصب پر اللہ تعالیٰ نے انہیں فائز فرمایا اس سے ان کی نعوذ باللہ تنزّلی کردیتے ہیں۔اس کے علاوہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عالم الغیب ہونے کی صفت کی بھی توہین ہے کہ اس نے ایک ایسے شخص کو نبی بنایا جس سے ایک وقت میں آکر یہ عہدہ واپس لینا پڑا۔ بہرحال علماء کی اس توجیہہ کا ردّ سورہ مریم کی مندرجہ ذیل آیت کرتی ہے جس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں بھی ہوں گے نبی ہوں گے۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا☆ وَّ جَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ص ---(مریم۔32-19:31)

اس نے کہا یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ نیز مجھے مبارک بنایا ہے جہاں کہیں میں ہوں۔

گویا ان کی نبوّت ان کی حیات جسمانی کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔اور ان کے دورِ نبوّت کے اختتام کا مطلب ان کی جسمانی موت ہے۔اگر وہ اب تک زندہ ہیں تو اب تک نبی بھی ہیں اور اگر اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ایک نبی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے نہ کہ ایک عام انسان کی حیثیت سے۔مسلم کتاب الفتن والشراط الساعۃ میں نواس بن سمعانؓ سے مروی ایک حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چار مرتبہ نبی اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔قرآن و حدیث کی اس واضح تصریح کے علاوہ ان علماء کے پیشرووں نے عقائد کی کتابوں میں بھی یہ بات تصریحاً لکھی ہے کہ نبی معزول نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثانی کے وقت نبی ہونا خود مجلس تحفظ ختم نبوّت کے مولویوں کو بھی مسلّم ہے۔یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنی کتاب ''تحفہ قادیانیت'' جلد اول میں صفحہ۔361 پر علامہ سفارینی کی کتاب ''لوامع انوار البہیہ'' کا حوالہ دیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی الگ شریعت لے کر نہیں اتریں گے اگرچہ ان کی نبوت ان کے ساتھ قائم رہے گی اور وہ نبوت کے ساتھ متصف ہونگے۔اسی طرح امام جلال الدین السیوطی کے رسالہ ''الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام'' کا حوالہ بھی درج کیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بوقت نزول نبوت کی نفی کرنا کفر ہے۔''تحفہ قادیانیت'' جلد سوم میں یوسف لدھیانوی صاحب صفحہ۔179 پر علامہ سعدالدین مسعود التفتازانی کی کتاب شرح مقاصد کا حوالہ دیتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اگرچہ آنحضرت ﷺ کے پیروکار ہونگے لیکن نبوت سے معزول نہیں ہونگے۔اسی کتاب کے صفحہ۔182 پر ایک اور حوالہ اسی ضمن میں امام

تقی الدین سبکیؒ کا دیا گیا ہے جو اپنی کتاب ''التعظیم والمنة فی تفسیر قوله تعالیٰ لتومنن به و لتنصرنه '' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدستور نبی ہونگے اور ان کی نبوت میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی۔ڈاکٹر مفتی عبدالواحد، مفتی جامعہ مدنیہ، لاہور لکھتے ہیں:

''انبیاء علیہم السلام منصب نبوت سے کبھی لائق معزولی نہیں ٹھہرتے۔ انبیاء کرام اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے اس لئے کہ حق تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ کبھی ایسے شخص کو منصب نبوت پر فائز نہیں فرماتے کہ جو آئندہ چل کر لائق معزولی ہو۔''
(اسلامی عقائد۔صفحہ۔66 ناشر مجلس نشریات اسلام۔کراچی)

نیا نبی یا پرانا نبی؟

بعض دیگر علماء جو اس دلیل کو بخوبی سمجھتے ہیں اور کسی بھی نبی کی نبوت سے معزولی کا عقیدہ نہیں رکھتے وہ نبی اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ آپؐ کے بعد ایک اور نبی کے آنے پر ایمان رکھنے سے پیدا ہونے والے تضاد کو یہ کہتے ہوئے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی آمد کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوسکتا لیکن پرانا نبی جس کو آپؐ سے پہلے نبوت ملی ہو وہ دوبارہ آسکتا ہے۔اس توجیہہ کا قرآن وسنّت اور احادیث میں قطعًا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس کے مخالف احادیث پائی جاتی ہیں۔آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

{''اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ اِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ''}
میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم اپنی مٹی میں گندھا ہوا پڑا تھا۔ (مشکوٰۃ کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سیّد المرسلینؐ)

گویا نبی اکرم ﷺ کو نہ صرف یہ کہ سب سے پہلے نبوت عطا ہوچکی تھی بلکہ آپؐ کو خاتم النبیین بھی بنایا جاچکا تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام کو آپؐ کے بعد ہی نبوّت ملی ہے۔

پرانے نبی کی نئی نبوت

غیر احمدی علماء کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت قدیم ہے اس لئے وہ تشریف لا سکتے ہیں جبکہ جدید نبوت والا نبی نہیں آسکتا۔حالانکہ ان کے اپنے عقیدہ کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی قدیم نبوت کے ساتھ نہیں بلکہ جدید نبوت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ان کی قدیم نبوت محض بنی اسرائیل تک محدود تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

{وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْ اِسْرَاءِيْلَ۔۔۔}
اور وہ رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف (آلِ عمران۔3:50)

اور خود وہ بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

{ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ... }

اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! یقیناً میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔۔۔ (الصّف۔61:7)

جبکہ اپنی آمدِ ثانی میں وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے مطاع نبی اور خلیفہ کی حیثیت سے تشریف لائیں گے جو کہ ایک نئی نبوت اور نیا عہدہ ہے جو انہیں پہلے حاصل نہیں تھا۔

مبعوث ہونے والے آخری نبی

غیر احمدی علماء ایک تاویل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مبعوث ہونے والے انبیاء میں سب سے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کے بعد کسی کو بطور نبی مبعوث نہیں کیا جائے گا جبکہ حضرت عیسیٰؑ نبی اکرم ﷺ سے پہلے مبعوث ہو چکے ہیں۔ لیکن ایک حدیث کے مطابق قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰؑ کو بطور نبی مبعوث کیا جائے گا۔

{ "...اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ..." }

جب اللہ تعالیٰ مسیحؑ ابن مریم کو مبعوث کرے گا (مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجّال)

مزید یہ کہ حکیم ترمذی اپنی کتاب "ختم الاولیاء" میں تحریر فرماتے ہیں کہ خاتم النبیین کا مطلب بعثت میں سب سے آخری کرنا بیوقوفوں اور جاہلوں کی تاویل ہے:

فان الذی عُمِیَّ عن خبر ھٰذا، یظن ان "خاتم النبیین" تأویله انه آخرھم مبعثًا۔ فای منقبة ھٰذا؟ و ای علم فی ھٰذا؟ تاویل البله الجھلة (ختم الاولیاء الحکیم الترمذی متوفی 318ھ۔ الفصل الثامن خاتم الاولیاء وخاتم الانبیاء)

پس جو اس خبر سے اندھا ہے وہ گمان کرتا ہے کہ "خاتم النبیین" کی تاویل یہ ہے کہ وہ سب سے آخر میں مبعوث ہوئے۔ اس میں ان کی کیا شان ہے؟ اور اس میں کیا علمی بات ہے؟ یہ تو بیوقوفوں اور جاہلوں کی تاویل ہے۔

آخری نبی کون ۔ آنحضرت ﷺ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام؟

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دوبارہ آمد کے وقت نبی ہونگے اور ان کو نبوت آنحضرت ﷺ کے بعد ہی ملی ہے۔ چنانچہ وہ اگر نبی اکرم ﷺ کے بعد تشریف لائیں گے تو آخری نبی وہی ٹھہریں گے۔ اسی بناء پر مندرجہ ذیل حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ان کو آخری نبی قرار دیا ہے۔

"لیدرکَنَّ الدجالُ قومًا مثلکم او خیرًا منکم، ولن یخزی اللّٰهُ امَّةً انا اولھا و عیسی ابن مریم آخرھا۔"

دجّال کا سامنا تمہارے جیسی یا تم سے بہتر قوم سے ہوگا اور اللہ اس امّت کو کبھی ضائع نہیں کرے گا جس کے شروع میں میں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم ہونگے۔کنز العمال کتاب القیامۃ صفحہ۔164)

مندرجہ بالا حدیث واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی امت کا ایک فرد قرار دیتے ہوئے اس امت کا آخری نبی قرار دے رہے ہیں جبکہ غیر احمدی علماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا عقیدہ رکھتے ہوئے بھی اس بات پر مصر ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی بھی اور کسی بھی طرح کا نبی نہیں آ سکتا۔ایسی صورتحال پر فارسی میں کہتے ہیں { بریں عقل و دانش بباید گریست !} یعنی ایسی عقل و دانش پر تو رونا چاہئے۔

ختم نبوت کی دو حصوں میں تقسیم

مندرجہ بالا نکات کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عقیدہ کے لحاظ سے غیر احمدی علماء کو نادانستگی میں ختم نبوت کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو پیدا ہونے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات پانے کے لحاظ سے آخری نبی ماننا پڑتا ہے۔

ابن صیّاد سے رسول اللہ ﷺ کا مکالمہ

ابن صیّاد مدینہ کا رہنے والا ایک یہودی تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اُس پر الہام نازل ہوتے ہیں یا یہ کہ اسے نبوت کا دعویٰ تھا۔ نبی اکرم ﷺ چند صحابہ کرامؓ کے ہمراہ، جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، اُسے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں نبی اکرم ﷺ کا اُس کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اُس کے مطابق:

رسول اللہ ﷺ نے ابن صیّاد سے پوچھا کیا تو گواہی دیتا ہے اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ابن صیّاد نے آپؐ کی طرف دیکھا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ رسول ہیں امّی لوگوں کے۔ پھر اس نے کہا کیا آپؐ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ایک روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اس کی بات کا کچھ جواب نہ دیا جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر۔صحیح مسلم۔کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

اس مکالمہ سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بعد نبوت کو جاری سمجھتے تھے۔بصورت دیگر آپؐ ابن صیّاد کو فرماتے کہ تم جھوٹے ہو کیونکہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔اس کے دعوے کی تردید فرمانے کی بجائے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تو اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔یعنی اگر تم واقعی اللہ کے نبی ہوتے تو میں تم پر بھی ایمان لے آتا۔

کیاحضرت عیسیٰ ؑ نبی اکرم ﷺ کے امّتی ہوسکتے ہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے عقیدہ کی تحقیق کرتے ہوئے جہاں دیگر سوالات پیدا ہوتے ہیں وہاں ایک پیچیدہ سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ غیر احمدی علماء کے نزدیک نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خود ایک نبی ہیں آنحضرت ﷺ کے بعد کیسے آسکتے ہیں۔ یہ سوال پچھلے زمانوں میں بھی اٹھایا گیا جس کا ذکر علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الحاوی للفتاوی ص 166 ج2'' اور امام حافظ زین الدین محمد بن ابوبکر رازی حنفی نے اپنی کتاب ''مسائل الرازی و اجوبتھا ص 282 '' میں کیا۔اس مشکل سوال کو یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقت نزول نبی نہیں بلکہ ایک امتی کی حیثیت میں ہونگے اور امت محمدیہ کے ایک عام فرد کی طرح شریعت محمدیہ پر عمل کریں گے۔

جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کا امّتی بننے کا تعلق ہے تو یہ تو جیہہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔امّتی ہمیشہ امت کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس کا فرد بن سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔جسطرح پنجابی میں ایک پہیلی اور طنزیہ جملہ کے طور پر بھی کہتے ہیں کہ ''ماں جمّی نئیں تے پُت کوٹھے تے''۔ یعنی ماں کے پیدا ہونے سے بھی پہلے بیٹا چھت پر جا پہنچا۔جس طرح یہ ناممکن ہے کہ ماں پیدا نہ ہوئی ہو اور بیٹا پہلے دنیا میں آجائے،اسی طرح امت کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کسی کا امتی کہلانا محال ہے چاہے وہ شخص پہلے سے دنیا میں موجود ہو۔قرآن کریم کے مطابق امت کتاب کے نزول سے معرض وجود میں آتی ہے۔جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ایک جھگڑے کا فیصلہ فرمایا۔

حضرت ابراھیمؑ .. یہودی یا عیسائی؟

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ☆

اے اہل کتاب!تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نہیں اتاری گئیں مگر اس کے بعد۔پس کیا تم عقل نہیں کرتے؟ (آل عمران۔3:66)

اہل کتاب کا جھگڑا یہ تھا کہ یہود کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے جبکہ عیسائی کہتے ہیں کہ وہ عیسائی تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودی امت تورات کے نازل ہونے سے معرض وجود میں آئی اور مسیحی امت انجیل کے نازل ہونے سے بنی۔جبکہ حضرت ابراہیمؑ ان دونوں کتابوں کے نزول سے پہلے پیدا

ہوکرفوت بھی ہو چکے تھے۔اس لئےعقلی طور پروہ ان دونوں امتّوں کے فرد نہیں کہلائے جاسکتے۔تفسیر البحرالمحیط میں علامہ ابی حیّان الاندلسی اسی نظریہ کی تائید میں مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بأن شريعة اليهود والنصارى متأخرة عن ابراهيم و هو متقدم عليهما، و محال أن ينسب المتقدم الى المتأخر، ولظهور فساد هذه الدعوى (أفلا تعقلون) أي هذا كلام من لا يعقل''

کیونکہ یہودونصاریٰ کی شریعت بعد میں تھی اورحضرت ابراہیمؑ ان سے پہلے تھےاور پہلے والے کو بعد سےنسبت دینا محال ہےاوراس دعویٰ کے فساد کے ظاہر کرنے کوفرمایا(کیاتم عقل نہیں کرتے)یعنی یہ کہ اس کلام میں کوئی عقل نہیں۔

حضرت ابراھیمؑ حضرت نوحؑ کے امّتی

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بیان کردہ اصول کے مطابق حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کے امّتی تونہیں کہلائے جاسکتے لیکن ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سے پہلے نبی یعنی حضرت نوحؑ کےگروہ میں شامل قرار دیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ☆(الصّٰفٰت۔37:84)

اور یقیناً اسی کے گروہ میں سے ابراہیم بھی تھا

حضرت موسیٰؑ کی خواھش

اس قرآنی اصول کی تصدیق ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسےعلامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب '' **الخصائص الكبرىٰ** ''میں درج کیا ہے۔مشہوردیوبندی عالم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اپنی کتاب '' **النشر الطيب في ذكر النبي الحبيبؐ** ''میں اس حدیث کونقل کیا ہے۔

''ابونعیم نے''حلیہ''میں حضرت انسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایابنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کواللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جوشخص مجھ سےاس حال میں ملے کہ وہ احمد مجتبیٰ کا منکر ہےتو میں اسے جہنم میں داخل کرونگا۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب!احمدکون ہیں؟ فرمایا:''میں نے کسی مخلوق کوان سے بڑھ کرمکرم نہیں بنایا۔اورمیں نے ان کا نام تخلیق زمین وآسمان سے پہلے عرش پرلکھا۔بلاشبہ میری تمام مخلوق پرجنت حرام ہے جب تک وہ ان کی امت میں داخل نہ ہو''موسیٰؑ نے کہاان کی امت کیسی ہے؟فرمایاوہ بہت زیادہ حمد کرنے والی امت ہے جو چڑھتے اوراترتے ہرحال میں خدا کی حمد کرنے والی ہے۔وہ اپنی کمریں باندھیں گےاوراعضاء کو پاک کریں گے۔وہ دن میں روزہ داراورشب میں ذکرواذکاراورعبادت گزار ہونگے۔ان کےقلیل عمل کوقبول کروں گااورلا الٰہ الا اللہ کی شہادت پران کو جنت میں داخل کروں گا۔عرض کیااس امت کا نبی مجھے بنادے!فرمایااس امت کا نبی انہیں میں سے ہوگا۔عرض کیا مجھے اس امت کا نبی بنادے!فرمایاتمہارازمانہ پہلے ہےاوران کا زمانہ آخر میں،لیکن بہت جلد میں تم کواوران کودارالجلال میں جمع کردونگا۔''

اس حدیث مبارکہ میں بیان کئے گئے اصول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام امّت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے نبی یافرداس لئےنہیں بن

سکتے کیونکہ یہ امت قرآن کریم کے نزول سے معرض وجود میں آئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول قرآن سے پہلے ظاہر ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ان کا زمانہ بھی امت محمدیہ سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ جو رکاوٹ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس امت کا نبی یا فرد بننے میں ہے بعینہٖ وہی رکاوٹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ احادیث میں جس ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے وہ اسی امت میں پیدا ہونے والا ایک فرد ہے نہ کہ باہر سے آنے والا کوئی اور شخص۔

تقدیم و تاخیر

جس طرح غیراحمدی علماء " مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ " والی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے قرآنی ترتیب کو تقدیم وتاخیر کے خودساختہ اصول کے تحت الٹ کردیتے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع پہلے کرواتے ہیں اور وفات بعد میں اسی طرح وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوّت پہلے مل گئی ہے لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت نزول کے بعد کریں گے۔ جبکہ قرآن کریم مندرجہ ذیل آیت میں نبی اکرم ﷺ کے بعد مقام نبوّت کو اطاعت رسول سے مشروط کرتا ہے۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِینَ ج وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا☆ (النساء - 4:70)

اور جو بھی اللہ کی اور اس رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ ہیں جو ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

تقدیم وتاخیر کے اصول کے متعلق ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو مندرجہ ذیل آیت میں عبادت کا حکم دیتے ہوئے رکوع سے پہلے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ رکوع پہلے کیا جاتا ہے اور سجدہ بعد میں:

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ☆ (آل عمران۔3:44)

اے مریم! اپنے ربّ کی فرمانبردار ہوجا اور سجدہ کر اور جھکنے والوں کے ہمراہ جھک جا۔

اس آیت کریمہ سے تقدیم وتاخیر کا اصول وضع کرنے والوں نے یہ فرض کرلیا کہ حضرت مریم کی عبادت گویا اسلامی نماز کی طرح اسی ترتیب پر تھی جس میں قیام کے بعد رکوع اور پھر سجدہ ہوا کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ان کی نماز میں سجدہ پہلے ہو اور رکوع بعد میں۔ لہذا اس آیت سے تقدیم وتاخیر کا اصول وضع کرنا درست نہیں۔ مندرجہ ذیل آیت سے بھی تقدیم وتاخیر کا استدلال کیا جاتا ہے۔

وَ اللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا ۙ وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ ۙ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ☆(النحل۔16:79)

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جب کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے پیٹوں سے نکالنے کا پہلے ذکر کیا ہے اور کان آنکھیں اور دل بنانے کا ذکر بعد میں کیا ہے حالانکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان آنکھیں اور دل اس کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔یعنی یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب سے بات بیان فرمائی ہے دراصل اس کے الٹ ہوتا ہے۔اگر اس آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں اگر جسمانی اعضاء کا ذکر ہوتا تو ''السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ '' کی بجائے 'اُذُنٌ' 'عَیْنٌ' اور 'قَلْبٌ ' کہا جاتا۔لیکن یہاں اللہ تعالیٰ ان اعضاء کے ذریعے حاصل ہونے والی طاقت کا ذکر فرما رہا ہے نہ کہ ان اعضاء کا جیسا کہ اس سے پہلے بیان کئے گئے الفاظ ''لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا '' سے ظاہر ہے۔جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے یہ اعضاء اس کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی مرضی سے ان سے کام نہیں لے سکتا اور وہ حواس جو ان اعضاء کے تابع ہوتے ہیں ابھی اسے حاصل نہیں ہوئے ہوتے۔اس بناء پر اسے اپنے اردگرد ماحول کا کچھ علم نہیں ہوتا کہ وہ کس جگہ پیدا ہو گیا ہے اور کون لوگ اس کے اردگرد پھر رہے ہیں۔یہ شعور آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔اس حقیقت کو قرآن کریم میں واضح فرمایا گیا ہے کہ یہ اعضاء تو جانوروں میں بھی ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام نہیں لے سکتے چنانچہ قرآن کریم ایسے لوگوں کو جو کان آنکھ اور دل کے ہوتے ہوئے بھی الٰہی پیغام کو سنتے نہیں، اس کی طرف دیکھتے نہیں اور نہ ہی اس پر غور و فکر کرتے ہیں جانوروں کی طرح قرار دیتا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر کیونکہ جانور تو ان حواس کے نہ ہونے کے باعث معذور ہیں لیکن انسان جو ان اعضاء اور ان کے تابع حواس کا بھی مالک ہے ان سے کام نہ لے کر بڑا مجرم ٹھہرتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۫ۖ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا ۫ وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا ۫ وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا ؕ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ☆(الاعراف - 7:180)

اور یقیناً ہم نے جہنم کے لئے جن و انس میں سے ایک بڑی تعداد کو پیدا کیا۔ان کے دل ایسے ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں کہ جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ایسے ہیں کہ جن سے وہ سنتے نہیں۔یہ لوگ تو چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ یہ (ان سے بھی) زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔یہی ہیں جو غافل لوگ ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ سے مراد جسمانی اعضاء نہیں بلکہ ان کے تابع وہ حواس ہیں جو پیدائش کے بعد رفتہ رفتہ انسان میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر انسان ان سے اپنی مرضی کے مطابق یا تو کام لیتا ہے یا پھر ان سے بالکل کام نہ لیتے ہوئے خود کو جہنم کا مورد بنا لیتا ہے۔ان معنوں کے لحاظ سے اس آیت میں بھی تقدیم و تاخیر کا اصول قطعی طور پر لاگو نہیں ہوتا۔

اتمام نعمت کا کیا مطلب ہے؟

ختم نبوّت کے بارے میں غیر احمدی علماء کی طرف سے عوام میں ایک اور غلط فہمی یہ پیدا کی جاتی ہے کہ سورۃ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیت کے مطابق دین اسلام اور شریعت کی تکمیل ہو چکی ہے اور نعمت یعنی نبوّت تمام ہو چکی ہے لہذا اب کسی نبی کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔۔۔۔(المائدۃ۔5:4)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کر لیا ہے

حالانکہ اسی قرآن کریم میں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ ہر نبی شریعت لے کر نہیں آتا۔ کچھ انبیاء کو شریعت دی جاتی ہے اور کچھ انہی شریعتوں کے مطابق فیصلے کرتے اور لوگوں کو ان شریعتوں کی طرف دعوت دیتے رہے۔

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ ... (البقرۃ - 2:254)

یہ وہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض (دوسروں) پر فضیلت دی۔ بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کو (بعض دوسروں سے) درجات میں بلند کیا۔

اتمام نعمت کے جو معنی غیر احمدی علماء کی طرف سے کئے جاتے ہیں وہ ان کی بد دیانتی اور دھوکہ دہی کی بدترین مثال ہیں۔ اتمام نعمت کا یہ مطلب لینا کہ نبوت اب ختم ہو گئی ہے، قرآن مجید کی رو سے بالکل جائز نہیں۔ سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی رویاء سنائی تو انہوں نے کہا:

وَ کَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَ عَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ کَمَآ اَتَمَّهَا

عَلٰی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ اِبْرَاھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ٥ (یوسف - 12:7)

اوراسی طرح تیرارب تجھے (اپنے لئے) چن لیگااور تجھے معاملات کی تہہ تک پہنچنے کاعلم سکھا دیگااوراپنی نعمت تجھ پر تمام کریگااورآل یعقوب پر بھی جیسا کہ اس نے اسے تیرے باپ دادا ابراہیم اوراسحٰق پر پہلے تمام کیا تھا۔یقیناً تیرارب دائمی علم رکھنے والا(اور) حکمت والا ہے۔

اگر نعمت تمام کرنے کا مطلب نبوت کاختم کرنا ہے تو مندرجہ بالا آیت کریمہ کے مطابق یہ اتمام نعمت تو پہلے ابراہیمؑ پر پھر حضرت اسحٰقؑ پراور پھر حضرت یوسفؑ پر ہوا۔ایسی صورت میں اتمام نعمت بمعنی اختتام نبوت ایک غیرحکیمانہ عمل بن جاتا ہے۔یعنی نبوت بار بارختم کر کے پھر جاری کی جاتی ہے۔ یہ بازیچہ اطفال مُلّا کو ہی مبارک ہو،علیم وحکیم خداایسی باتوں سے پاک ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ سورہ مائدہ کی مندرجہ بالا آیت نبوت کو ہر طرح سے ختم سمجھنے کا عقیدہ رکھنے والوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔

کیا ہر نبی نئی شریعت لے کر آتا ہے؟

یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہر نبی اوررسول سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے۔بغیر کلام کے کوئی بھی شخص نبی اوررسول نہیں بن سکتا۔لہٰذا سورہ بقرۃ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کچھ انبیاء سے کلام کرنے کا مطلب ہے کہ انہیں شریعت دی گئی اوربعض کے صرف درجات بلند کرنے کا مطلب ہے کہ انہیں کوئی نئی شریعت نہیں دی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات کی بلندی اسطرح فرمائی کہ انہیں نبوت کا اعلیٰ مقام عطافرما کر پرانی شریعت کودوبارہ زندہ کرنے کی ذمہ داری بخشی۔جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے بیشمارانبیاءتورات کے مطابق فیصلے کرتے رہےاوراس کی بھولی بسری تعلیم کوباربار بنی اسرائیل کو یاد کراتے اوراس کی طرف بلاتے رہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِیْھَا ھُدًی وَّ نُوْرٌ ۚ یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالْاَحْبَارُ ---(المائدہ 5:45)

یقیناً ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت بھی تھی اورنور بھی۔اس سے انبیاءجنہوں نے اپنے آپ کو(کلیتًہ اللہ کے) فرمانبردار بنادیا تھا یہود کیلئے فیصلہ کرتے تھے۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَمًا عَلَی الَّذِیْ اَحْسَنَ وَ تَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحْمَۃً لَّعَلَّھُمْ بِلِقَآءِ رَبِّھِمْ یُؤْمِنُوْنَ
پھرموسیٰ کوبھی ہم نے کتاب دی جو ہراس شخص کی ضروریات پر پوری اترتی تھی جواحسان سے کام لیتا،اور ہر چیز کی تفصیل پر مشتمل تھی اور ہدایت تھی اوررحمت تھی تاکہ وہ اپنے ربّ کی لقاءپرایمان لے آئیں۔(الانعام۔6:155)

مزید برآں حضرت یحیٰ علیہ السلام کو،جنہیں صاحب شریعت انبیاء میں شامل نہیں سمجھا جاتا،قرآن کریم میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ

یٰیَحْیٰی خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (مریم۔19:13)
اے یحیٰ! کتاب کومضبوطی سے پکڑ لے۔

یہاں جس کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا جارہا ہے وہ لازمی طور پر توراۃ ہے جس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور آپؑ کے والد حضرت زکریا علیہ السلام عمل پیراء تھے۔ثابت ہوا کہ ہر نبی کیلئے صاحب شریعت وصاحب کتاب ہونا لازمی امر نہیں۔لہذا جہاں تک دین مکمل ہونے کا تعلق ہے تو یہ غیر تشریعی نبوت ملنے میں کوئی روک نہیں۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اسی غیر تشریعی نبوّت کا دعویٰ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ آپؑ کا اور آپؑ کی پیروی میں جماعتِ احمدیہ کا یہ محکم عقیدہ ہے کہ اسلام آخری مذہب ہے،قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب اور شریعت ہے اور قیامت تک انسانوں کی ہدایت ونجات نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کے ساتھ وابستہ کردی گئی ہے۔مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام صرف اور صرف اس مکمل واتّم دین کی اشاعت وتبلیغ ہے۔

کیا صرف کتاب ھدایت دے سکتی ھے؟

ہمارے زمانے میں بعض لوگ یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ ہمیں قرآن کریم جیسی اکمل کتاب کی موجودگی میں کسی پیغمبر اور ہادی کی ضرورت نہیں اور اب ہم اپنی تمام ضروریات اسی کتاب سے پوری کرسکتے ہیں۔اس دعویٰ کے برعکس قرآن کریم کتاب اور استاد کو ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ٹھہراتا ہے۔سورہ ابراہیم کی مندرجہ ذیل آیت میں کہا گیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا رسول کا کام ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی مدد سے کرتا ہے

الٓرٰ (قف) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ☆

الف لام را۔ یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہوئے اس راستہ پر ڈال دے جو کامل غلبہ والے (اور) صاحب حمد کا راستہ ہے۔(ابراھیم.14:2)

یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خود کتاب پڑھ کر ہدایت پاسکتے ہیں منکرین کا شیوہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہماری عبرت اور نصیحت کیلئے نقل کیا ہے۔گویا ان کے نزدیک نبی کی حیثیت ایک ڈاکیہ سے زیادہ نہیں جس کا کام صرف کتاب پہنچانا ہے۔سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیت میں کفّار مکّہ کے نبی اکرم ﷺ سے جو مطالبات اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں ان میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ آپؐ آسمان پر جاکر ہمارے لئے ایک کتاب لے آئیں جسے ہم پڑھیں۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا☆ (بنی اسرائیل.17:94)

یا تیرے لئے سونے کا کوئی گھر ہو یا تو آسمان میں چڑھ جائے۔مگر ہم تیرے چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر ایسی کتاب اتارے جسے ہم پڑھ سکیں۔تو کہہ دے کہ میرا رب (ان باتوں سے) پاک ہے (اور) میں تو ایک بشر رسول کے سوا کچھ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''نَــقْــرَؤُہٗ'' بڑا غور طلب ہے۔اس لفظ کا مطلب ہے ''ہم پڑھیں''۔یعنی آپؐ کتاب لاکر ہمارے حوالے کر دیں اسے پڑھنے اور سمجھنے کا کام ہم خود ہی کر لیں گے۔

کفّارمکّہ کے اس مطالبہ اور استاد کی ضرورت کے انکار کے خیال کے برعکس اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں بیان فرمایا کہ نبی صرف کتاب کی صورت میں پیغام لانے والا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی تلاوت کرنے والا اور اس کی تعلیم اور حکمت سکھانے والا اور اس کے ذریعے لوگوں کے نفوس کی پاکیزگی کرنے والا بھی ہوتا ہے۔اس بناء پر کتاب کے ساتھ ساتھ ایک معلّم ربّانی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ☆ (الجمعة.62:3)

وہی ہے جس نے امّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

دنیاوی زندگی میں بھی یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ میڈیکل،انجینئرنگ،قانون اور کمپیوٹر سائنس سمیت کسی بھی شعبہ کی محض کتابیں پڑھ لینے سے کوئی بھی انسان اس شعبہ اور پیشہ کا ماہر نہیں بن سکتا بلکہ اس کیلئے اسے باقاعدہ استاد سے علم سیکھنا پڑتا ہے جو نہ صرف ان کتابوں کے مشکل مقامات حل کرتا ہے بلکہ اپنے تجربہ سے اپنے شاگردوں کو مستفیذ کرتے ہوئے انہیں وہ باتیں بھی سکھاتا ہے جو کتابوں میں نہیں لکھی ہوتیں اور محض تجربہ اور عمیق مشاہدہ سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔اگر دنیاوی علوم کا یہ حال ہے تو آسمانی اور روحانی علوم استاد کے بغیر کیسے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ایک صوفی شاعر میاں محمد بخش صاحب نے کیا خوب کہا ہے

''بنا مرشد اں راہ نہ ہتھ آوندی
بنا دودھ نہ رجھدی کھیر میاں''

ان غلط فہمیوں کو جو عام طور پر علماء کی طرف سے عوام میں پھیلائی جاتی ہیں دور کرنے اور ان کی حقیقت بیان کرنے کے بعد اب ہم ابتداء میں بیان کردہ سوالات میں سے پہلے سوال یعنی قرآن کریم سے امکانِ اجرائے نبوّت کے ثبوت کا جواب دیتے ہوئے اس کے دلائل کو بیان کرتے ہیں۔

پہلا

سوال

امکان

نبوت

سوال نمبر ایک یہ تھا کہ کیا قرآن پاک کی رو سے نبوت جاری ہے یا مطلقاً ختم ہوچکی ہے۔اس سوال کے جواب میں قرآن مجید ہماری یہ رہنمائی فرماتا ہے کہ ہر دور میں نبوت کا امکان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے انسانوں کی ہدایت کیلئے ہادی ورہنما بھیج سکتا ہے۔مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ اس عقیدے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

بنی آدم اور رسول

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ

اے ابنائے آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیات پڑھتے ہوں تو جو بھی تقویٰ اختیار کرے اور اصلاح کرے تو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور وہ غمگین نہیں ہونگے۔(الاعراف-7:36)

یہ آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے کہ جب تک بنی آدم اس زمین پر موجود ہیں رسولوں کا آنا ممکن ہے۔اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تاکیدی نصیحت فرمائی ہے کہ جو کوئی بھی اس آنے والے رسول کی بات مانے گا اسے کوئی خوف وغم نہیں ہوگا۔جیسا کہ ظاہر ہے ہم سب بنی آدم ہیں۔اگر ہمارے پاس اب کسی نبی نے نہیں آنا تو ہمارے لئے یہ نصیحت بیفائدہ ہے۔لیکن قرآن کی تعلیمات قیامت تک کیلئے ہیں اس لئے یا تو اس آیت کو منسوخ ماننا پڑیگا جو ہرگز جائز نہیں یا پھر نبیوں کا آتے رہنا ماننا پڑیگا جو ایک واحد حل ہے۔یہ کہا جاتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے مخاطب پچھلے زمانوں کے لوگ تھے۔اب چونکہ نبوّت ختم ہوچکی ہے اس لئے اب یہ حکم ہمارے لئے باقی نہیں رہا۔حالانکہ اول تو ''بنی آدم'' کا لفظ استعمال فرما کر اس خطاب کو عمومی بنا دیا گیا ہے دوسرا یہ کہ اس آیت سے چند آیات پہلے بنی آدم کو خطاب کرکے تمام مسجدوں کی طرف جاتے ہوئے زینت یعنی تقویٰ اختیار کرنے اور کھانے پینے میں اسراف سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ

حکم بھی عمومی ہے اور تمام مسلمان اس حکم کو اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں۔ بعینہٖ اس آیت کریمہ میں مندرج یہ حکم یعنی کسی رسول کے آنے پر اس کی اتباع کا حکم بھی عمومی ہے اور کسی مخصوص قوم یا وقت کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا۔

اس آیت کریمہ میں دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ رسولوں کے آنے کے بارے میں لفظ (مِنْكُمْ) استعمال فرمایا گیا ہے یعنی ''تم میں سے'' نہ کہ (عَلَيْكُمْ) یعنی ''تم پر''۔ جس کا مطلب ہے کہ انبیاء انسانوں میں سے تشریف لاتے ہیں نہ کہ ان کے اوپر وارد ہوتے ہیں جیسا کہ غیر احمدی مسلمانوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ ہمارے اوپر سے آئیں گے ہم میں سے نہیں ہونگے۔ اس آیت کریمہ میں انبیاء کو ماننے کا جو نتیجہ ظاہر فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان انبیاء کو قبول کرنے والوں اور اپنی اصلاح کرنے والوں کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے کے بعد موجودہ حالات میں مسلمانوں پر ایک عالمگیر خوف اور غم کا جو غلبہ ہے وہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے ایک نبی کا انکار کر دیا جس کے نتیجے میں وہ خوف اور غم کی حالت میں گرفتار کر دیئے گئے ہیں۔ بغداد میں ہلاکو خان کے حملے کے بعد مسلمان دنیا کے دیگر ممالک میں پناہ گزین ہو گئے تھے اور اپنی نئی دنیائیں شروع کر دی تھیں۔ لیکن امریکہ کے بغداد پر حملے کے بعد کسی مسلمان کو دنیا کے کسی خطے میں امن نہیں ہے اور امریکی ایجنسیاں اور فوج کسی بھی مسلمان کو دہشت گرد قرار دے کر اسے کہیں سے بھی گرفتار کر کے لے جاتی ہیں۔

اطاعت کے نتیجه میں انعامات

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ-1:6,7)
ہمیں سیدھے راستہ پر چلا، ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے انعام کیا

اس آیت کریمہ میں نہ صرف سیدھے راستہ پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ سیدھی راہ ان لوگوں کی ہے یعنی صراط مستقیم پر چلنے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کئے ہیں۔ اس منعم علیہ گروہ کا نام اور ان پر کئے جانے والے انعامات کا ذکر سورہ نساء کی آیت۔70 میں کیا گیا ہے

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِينَ ج وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا☆ (النساء -4:70)
اور جو بھی اللہ کی اور اس رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ ہیں جو ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اس آیت کے سیاق وسباق سے بھی اس مضمون کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔ آیت۔60 سے لیکر آیت۔69 تک مومنوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے تمام اختلافات میں حَکَم نہ بنالو اور اس کے

فیصلوں کو خوشدلی سے قبول نہ کرلو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کریں گے اور پھر مذکورہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلنے کا مطلب ان لوگوں میں شامل ہونا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کئے ہیں۔ اور یہ انعامات اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ تفسیر بحرالمحیط میں امام راغب سے یہی معنی منقول ہیں کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے نتیجے میں اس امت کے نبی نبیوں کے ساتھ، صدیق صدیقوں کے ساتھ، شہید شہیدوں کے ساتھ اور صالح صالحین کے ساتھ شامل کئے جائیں گے۔ جبکہ سورۃ الحدید میں بتایا گیا کہ انبیائے سابقین علیہم السلام کی اطاعت سے لوگ صرف درجہ صدیقیت تک پہنچ سکتے تھے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ﻗﻠﮯ وَالشُّهَدَآءِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط (الحدید۔57:20)

اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے ربّ کے حضور صدیق اور شہید ٹھہرتے ہیں۔

غیر احمدی علماء جماعت احمدیہ کی اس تشریح پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ انعامات دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ملیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اگر تمام حسنات آخرت میں ہی ملنی ہیں تو پھر مومن کی نشانی یہ کیوں بتائی گئی کہ وہ دنیا میں ان کے حصول کی بھی دعا مانگتا ہے

{رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ} (سورۃ البقرۃ۔2:202)

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی حسنہ عطا کر اور آخرت میں بھی حسنہ عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا

قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کو نبوت کی نعمت و رحمت اسی دنیا میں عطا کی گئی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ط **وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا** ج وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ

(سورۃ البقرۃ۔2:131)

اور کون ابراہیم کی ملّت سے اعراض کرتا ہے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو بے وقوف بنا دیا۔ اور یقیناً ہم نے اُس (یعنی ابراہیم) کو دنیا میں بھی چُن لیا اور یقیناً آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوگا

قرآنِ کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو اس دنیا میں یہ مرتبے نہ پا سکے وہ آخرت میں ان مقامات کو حاصل نہیں کر سکتا۔

وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی (بنی اسرائیل۔17:73)

اور جو اسی دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا

جماعت احمدیہ کے اختیار کردہ ان معانی پر غیر احمدی علماء کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ سورۃ النساء کی اس آیت میں لفظ ''مــع'' استعمال کیا گیا ہے

جس کا مطلب ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ امت محمدیہ کے افراد انبیاء کے ساتھ تو ہونگے لیکن نبی نہیں بن جائیں گے اور یہ شمولیت بھی آخرت میں ہے اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان معنی کو اختیار کرنے میں بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ امت میں نبوت کے انکار کے ساتھ ساتھ باقی تمام درجوں کا بھی انکار کرنا پڑے گا کہ اطاعت کے نتیجے میں اس دنیا میں نہ کوئی صدیق بن سکتا ہے نہ شہید اور نہ صالح، حالانکہ خود صحابہ کرامؓ میں صدیق بھی تھے، شہید بھی اور صالحین بھی۔ قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ مع من کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کہا تو یہ جاتا ہے کہ ''ساتھ''، لیکن مراد لی جاتی ہے'' میں سے ''۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں

يٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ☆ (هود.11:43)
اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو

ابلیس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ سجدہ کرنیوالوں کے ساتھ نہ تھا تو اس سے مراد یہی ہے کہ وہ ان میں شامل نہیں تھا

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَ لَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ☆ (الحجر.15:33)
اس نے کہا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہیں ہوا۔

مومنوں کو یہ دعا سکھائی گئی ہے

وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ☆ (آل عمران3:194)
اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے

اب اس دعا سے یہ تو مراد نہیں لی جاسکتی کہ جب بھی نیک لوگ فوت ہوں ہم بھی ان کے ساتھ فوت ہوجائیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم ایسی حالت میں فوت ہوں جب ہم نیک لوگوں میں شمار کیے جائیں۔ جیسے سورہ البقرہ کی اس آیت کریمہ میں کہا گیا ہے

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ☆ (2:133)
پس ہرگز مرنا نہیں مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو

قرآن کریم میں مومنوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ☆ (9:119)
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

اگر ''مـــع'' کے معنی صرف ساتھ رہنے کے کئے جائیں اور اس گروہ میں ان کا شمار نہ کیا جائے جن کی معیت کی مومنوں کو نصیحت کی جارہی ہے تو اس آیت کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا اور صرف یہ سمجھا جائے گا کہ مومنین صادقوں کے ساتھ تو رہیں لیکن وہ خود صادق نہیں بن سکتے۔ یہ تشریح وتعبیر اسلامی روح کے

کس قدر خلاف ہے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

قرآنِ کریم کی ایک اور آیتِ کریمہ سے بھی غیر احمدی علماء کے اس اعتراض کا بخوبی رد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ☆ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا☆ (4:146-147)

یقیناً منافقین آگ کی انتہائی گہرائی میں ہوں گے اور تُو ان کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیا تو یہی وہ لوگ ہیں جو مومنوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ مومنوں کو ایک بڑا اجر عطا کرے گا۔

اگر اس آیتِ کریمہ میں ''مع'' کے معنی صرف یہ کئے جائیں کہ منافقین مومنین کے محض ساتھ ہوں گے لیکن ان میں سے نہیں ہوں گے تو پھر سوال یہ ہے کہ پھر انہیں توبہ، اصلاح، اعتصام باللہ اور دین کو اللہ کے لئے خالص کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟

فعل مضارع اور سنّت اللہ

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلاً وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ o (الحج22:76) اللہ فرشتوں میں سے رسول چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ o

وہ بلند درجات والا صاحبِ عرش ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے امر سے روح کو اتارتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ (المؤمن۔40:16)

عربی گرامر میں فعل مضارع کی یہ خاصیت ہے کہ وہ بیک وقت حال اور مستقبل کو بیان کرتا ہے اور اسی طرح کسی کی عادت مستمرہ بھی اسی فعل کے ذریعے بیان کی جاتی ہے۔ سورہ حج کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ '' يَصْطَفِى '' جو کہ فعل مضارع ہے استعمال فرمایا گیا ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ چُنتا ہے اور چُنے گا۔ اسی طرح سورہ المومن کی مندرجہ بالا آیت میں بھی فعل مضارع '' يُلْقِى '' کے استعمال سے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے روح القدس یعنی جبریل کا نزول کرتا ہے اور کرے گا۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام.6:125)
اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا انتخاب کہاں سے کرے۔

سورہ الانعام کی مندرجہ بالا آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ انسانوں میں سے رسول چُننے اور اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے روح القدس یعنی جبریل بھیجنے کا یہ کام اللہ تعالیٰ کب کرے گا، کہاں کرے گا اور کس کو بطور رسول منتخب کرے گا یہ سب اس کا اختیار ہے۔ نہ تو اس سے اس بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے انتخاب کے بارے میں کوئی اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کسے، کب اور کہاں اپنا رسول بنائے گا۔ اس آیت کریمہ میں نہ صرف اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ اختیار واضح کیا ہے بلکہ فعل مضارع '' یَجْعَلُ ''استعمال فرما کر رسالت کے انتخاب کا کام حال کے ساتھ ساتھ مستقبل سے بھی باندھ دیا ہے۔ اور یہ واضح فرما دیا ہے کہ کہ جب بھی، جہاں بھی اور جس کو بھی نبی بنانے اور بھیجے جانے کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ اپنا یہ اختیار استعمال فرماتے ہوئے نبی بھیجے گا۔

اسی آیت میں ان تمام لوگوں کا بھی جواب دیا گیا ہے جو سوال کرتے ہیں کہ کیا جماعت احمدیہ کے نزدیک حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے بعد کوئی اور نبی بھی آ سکتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں اصولی جواب وہی ہے جو اوپر دیا جا چکا ہے کہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے اور اس کے مکمل علم پر منحصر ہے کہ وہ آئندہ مستقبل میں کسی نبی کی ضرورت محسوس کرتا ہے یا نہیں۔۔ اگر ایسے حالات پیدا ہوں تو وہ اپنی قدرتِ کاملہ استعمال کرتے ہوئے نبی بھیج بھی سکتا ہے۔ جہاں تک مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ یعنی وحی والہام کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو کبھی معطّل نہیں ہو سکتی۔ وہ جس پر چاہے اپنی اس صفت کا اظہار کر سکتا ہے۔

نزول وحی کے طریقے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ٥ (الشوریٰ 42:52)

اور کسی انسان کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیغام رساں بھیجے جو اس کے اذن سے جو وہ چاہے وحی کرے یقیناً وہ بہت بلند شان (اور) حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تین طریق بتائے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں سے کلام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انسان سے کلام کی یہ تین قسمیں وحی، سچا خواب یا کشف اور رسول یعنی فرشتہ کے ذریعے پیغام پہنچانے پر مشتمل ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں طریقوں سے کلام فرمایا۔ آپؐ کو وحی بھی ہوئی جو کسی فرشتے کے سامنے آئے بغیر کلام الٰہی کے نزول کو کہتے ہیں۔ پھر آپؐ کو سچے خوابوں اور کشوف کے ذریعے بھی، جنہیں نبوّت کا چھیالیسواں جزو کہا گیا ہے، کلام الٰہی پہنچایا گیا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ جبریل بنفس نفیس آپؐ کے سامنے حاضر ہو جایا کرتے تھے اور الٰہی پیغام پہنچاتے تھے۔ اس تیسرے طریقے میں ایک بار صحابہؓ کی ایک جماعت کو بھی شامل کر لیا گیا جب جبریل ان سب کے سامنے مجلس میں انسانی شکل میں تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی۔ بخاری کتاب الایمان میں یہ حدیث مذکور ہے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ حضرت جبریل حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ '' بشــــــر '' استعمال کیا گیا ہے۔ سو اس لحاظ سے بھی یہ آیت عمومی اور مستقل رنگ رکھتی ہے کیونکہ ہر زمان و مکان کے انسان اس آیت کے مخاطب ہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ جب تک اس زمین پر بشریت قائم ہے اللہ تعالیٰ کا انسان سے کلام جاری رہے

گا۔اسی مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کی کثرت انسان کو نبوت ورسالت کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔اگر یہ سلسلہ جاری نہ ہوتا تو قیامت تک قائم رہنے والی اس کتاب میں انسانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس اصول کا ذکر بے معنی ہوتا۔

جو کلام نہ کرے وہ خدا نہیں

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ

اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ o (الاعراف.7:149)

اور موسٰی کی قوم نے اس کے بعد اپنے زیورات سے ایک ایسے بچھڑے کو(معبود) پکڑ لیا جو ایک (بے جان) جسم تھا جس سے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی۔کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ وہ نہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ انہیں (سیدھی) راہ کی ہدایت دیتا ہے؟ وہ اسے پکڑ بیٹھے اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔

اس مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ سیناء پر جانے کے بعد ایک بچھڑے کا بُت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی تھی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس ظلم عظیم پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ بُت جو نہ بولتا ہے اور نہ ہی تمہیں کوئی سیدھی راہ دکھاتا ہے تمہارا خدا کیسے ہوسکتا ہے۔اس آیت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ کلام کرنا اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شامل ہے جو کبھی معطل نہیں ہوسکتیں۔زمانہ حال کے مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جبریل کا اس دنیا میں نزول قطعی طور پر بند ہو چکا ہے۔حدیثیں وضع کرنے والوں نے ”لا وحی بعد الموتٰی “ یعنی میری موت کے بعد کوئی وحی نہیں، جیسی حدیث گھڑ کر آنحضرت ﷺ سے منسوب کر دی۔بہت سے محدثین اس حدیث کو وضعی اور بے اصل قرار دے چکے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ........(الانعام.6:92)

اورانہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نہیں اتارا۔

اسی بناء پر غیر احمدی مسلمان خدا کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک عرصہ سے کلام کرنا ترک کر چکا ہے اورقرآن مجید نازل کرنے کے بعد گویا اپنا فرض نبھا کر فارغ ہو بیٹھا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ اس فاسد عقیدے کی تردید فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ تم سے پہلے بھی لوگوں نے ایسے وجود کو خدا مان لیا جو نہ کلام کرتا اور نہ ہدایت دیتا ہے۔اب تم ہوشیار رہنا اور ہرگز کسی ایسے وجود کو خدا نہ مان لینا جو نہ تو انسانوں کے ساتھ کلام کرے اور نہ ہی انہیں ہدایت دے سکے۔مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی نازل نہیں کرتا اس کی ناقدری ہے۔گویا ہمیں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ کبھی بھی اپنے ربّ کی ایسی ناقدری نہ کرنا کہ ان صفات کو اس سے معطّل سمجھ لو کیونکہ سچے خدا میں یہ صفات معطل نہیں ہوسکتیں۔بقول عبیداللہ علیم مرحوم!

اب کہیں بولتا نہیں غیب جو کھولتا نہیں ایسا اگر کوئی خُدا تم نے بنا لیا تو کیا

نبوت ختم ہونے کی تردید

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ☆ (الجن۔72:8)

اورانہوں نے یہ بھی گمان کیا تھا جیسے تم نے گمان کرلیا کہ اللہ ہرگز کسی کو مبعوث نہیں کریگا۔

وَلَقَدْ جَآءَ كُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَازِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَ كُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ☆ (المومن۔40:35)

اور یقیناً تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف بھی کھلے کھلے نشانات لے کرآچکا ہے مگر تم اس بارہ میں ہمیشہ شک میں رہے ہو جو وہ تمہارے پاس لایا یہاں تک کہ جب وہ مرگیا تو تم کہنے لگے کہ اب اس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول مبعوث نہیں کریگا۔اسی طرح اللہ حد سے بڑھنے والے (اور) شکوک میں مبتلا رہنے والے کو گمراہ ٹھہراتا ہے۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ پہلے بھی لوگوں میں ایسا عقیدہ رہا ہے کہ ان کا نبی آخری نبی ہے اور اب اللہ تعالیٰ کسی کو مبعوث نہیں کریگا۔ایسے لوگوں کو ''مُسْرِفٌ'' اور ''مُرْتَابٌ'' کہا گیا ہے۔مسرف اسراف کرنے والے یعنی فضول خرچی کرنے والے یا اپنی حد سے بڑھنے والے کو کہا جاتا ہے۔سورہ الانعام (6:125) کی رو سے یہ صرف اللہ تعالیٰ کا استحقاق ہے کہ وہ اپنی رسالت کا انتخاب کہاں سے کرے۔چنانچہ اس شخص کو، جو اپنی حد سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے استحقاق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے اور خدا کی اس نعمت اور فضل یعنی نبوت کا بانٹنا، جاری کرنا یا بند کرنا اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے، اللہ تعالیٰ نے

"مُسْرِف" قرار دیا ہے۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبوّت کو ختم سمجھنے والوں کو "مُرْتَابٌ" کہہ کر بھی پکارا ہے۔ مرتاب کا مادہ 'ریبٗ' ہے جس کے معنی شک کے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے نبی کے متعلق مرتاب یعنی شکوک وشبہات میں مبتلا رہتے ہیں اور پھر اس کی انہی خوبیوں کو جن کا وہ اس نبی کی زندگی میں انکار کرتے رہے ہیں، بہانہ بنا کر اس کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کا انکار کر دیتے ہیں اور مسرف بن جاتے ہیں۔ مودودی صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہ فراموش کر گئے کہ یہی حقیقت ان پر اور ان کے ماننے والوں پر سو فیصد پوری ہو رہی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

> "یعنی تمہاری گمراہی اور پھر اُس پر ہٹ دھرمی کا حال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمہارے ملک میں یوسف علیہ السلام آئے جن کے متعلق تم خود مانتے ہو کہ وہ بلند ترین اخلاق کے حامل تھے اور اس بات کا بھی تمہیں اعتراف ہے کہ انہوں نے بادشاہِ وقت کے خواب کی صحیح تعبیر دے کر تمہیں سات برس کے اُس خوفناک قحط کی تباہ کاریوں سے بچالیا جو اُن کے دور میں تم پر آیا تھا۔ اور تمہاری ساری قوم اس بات کی بھی معترف ہے کہ اُن کے دورِ حکومت سے بڑھ کر عدل وانصاف اور خیر وبرکت کا زمانہ کبھی مصر کی سرزمین نے نہیں دیکھا۔ مگر اُن کی ساری خوبیاں جانتے اور مانتے ہوئے بھی تم نے ان کے جیتے جی ان پر ایمان لا کر نہ دیا، اور جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اب بھلا ایسا آدمی کہاں پیدا ہوسکتا ہے۔ گویا تم ان کی خوبیوں کے معترف ہوئے بھی تو اس طرح کہ بعد کے آنے والے ہر نبی کا انکار کرنے کے لیے اسے ایک مستقل بہانہ بنالیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت بہرحال تمہیں قبول نہیں کرنی ہے۔" (تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ 408, 409، ناشر ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور سنِ اشاعت جون۔ 2001)

مُسرف قوم سے خُدا تعالیٰ کا سوال

> اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ☆ وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِى الْاِوَّلِيْنَ☆(43:6-7)
> کیا ہم تمہیں نصیحت کرنے سے محض اس لئے باز آجائیں گے کہ تم ایک حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو؟ اور کتنے ہی نبی ہم نے پہلے لوگوں میں بھیجے تھے۔

جیسا کہ پچھلی آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مُسرف یعنی حد سے بڑھنے والے لوگ ہی نبوت کے اختتام کے اعلان کی جراءت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اب اس نبی کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو بطور نبی مبعوث نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے یہ پوچھتا ہے کہ کیا ہم محض اس لئے نبی بھیجنے سے باز آجائیں کہ تم اپنی حد سے تجاوز کر کے اس بات کا اعلان کر چکے ہو کہ اب اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث نہیں کرے گا اور اب ہمیں آسمانی نصیحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو تم سے پہلے بھی لوگ ایسا ہی دعویٰ کرتے تھے لیکن پھر بھی ہم نے ان میں بہت سے نبی بھیجے۔ چنانچہ تم لوگوں کو نبوت کے اختتام کا جتنا چاہے یقین دلاؤ، یہ عمل جاری رہے گا۔

نبوت نفع بخش ھے یا نقصان دہ

> وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ط كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ o (الرعد۔13:18)

اور جو انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے تو وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ نبوت انسانوں کیلئے نفع بخش چیز ہے نقصان دہ شے نہیں۔ نبی انسانوں کو پوشیدہ نقصانات اور فائدوں پر مطلع کر کے انہیں جنّت کی خوشخبریاں دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔ پھر جو نبی کی ان باتوں پر ایمان لے آئے وہ دین و دنیا میں فلاح و کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔اسی فائدہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس آیت میں سیلاب کے پانی اور اس پر آجانے والی جھاگ اور سونا اور اس کو دہکا کر اس سے نکالے جانے والی میل کی مثال بیان فرما کر ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ بیکار چیز ضائع ہو جاتی ہے لیکن انسانوں کے فائدہ کی چیز زمین میں قائم رہتی ہے۔نبوت چونکہ انسانوں کے فائدہ کی چیز ہے لہذا اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی مثال کی روشنی میں نبوت کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرشتوں کا نزول

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ☆ (حٰم السجدۃ۔41:31)

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے، پھر استقامت اختیار کی، ان پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت (ملنے سے) خوش ہو جاؤ جس کا وعدہ تم دیئے جاتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں بھی نزول ملائکہ کا مسلسل اور جاری اصول اور وہ سنت اللہ بیان کی گئی ہے جس کا قرآن کریم پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والا کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی کوئی تاویل کر سکتا ہے۔ کیونکہ فرشتوں کا انسانوں پر نازل ہونا، ان سے کلام کرنا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی بشارت پہنچانے کا واقعہ اسی دنیا میں ہونا بیان کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ جو اللہ کو اپنا رب مان کر تمام مروجہ بتوں کی پرستش سے انکار کر دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں زمانہ انہیں اپنے مظالم کا شکار بناتا ہے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اللہ کا یہ پیغام انہیں پہنچاتے ہیں کہ غم مت کرو، ہم تمہارے اس دنیا میں بھی ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ رہیں گے اور یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ غفور رحیم خدا نے ہمیں تمہارے اوپر اس سکینت اور بشارت کو نازل کرنے کا حکم دیا ہے۔اس آیت کی موجودگی میں وحی الٰہی کے نزول کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اگر کسی بات کا انکار کیا جا سکتا ہے تو وہ یہ کہ اب ایسے لوگ ہی پیدا نہیں ہوتے جو اللہ کو اپنا رب مان کر اس دعویٰ پر استقامت رکھیں اور کسی جھوٹے خدا کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیں۔اگر حقیقت یہی ہو تو پھر اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔

پاکیزہ درخت

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ ☆ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا ط وَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ○ (ابراھیم۔26-14:25)

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک کلمہ طیبہ کی ایک شجرہ طیبہ سے۔اس کی جڑ مضبوطی سے پیوستہ ہے اور اس کی

چوٹی آسمان میں ہے۔وہ ہر گھڑی اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل دیتا ہے۔اوراللہ انسانوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک ایسے پا کیزہ درخت سے دی ہے جو زمین میں مضبوطی سے قائم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اور وہ ہر زمانے میں اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے۔اسلام ہی وہ کلمہ طیبہ ہے جس کو بطور مثال اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے اور بطور پیشگوئی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام ایک مضبوط دین کے طور پر قائم رہیگا اور کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کر سکے گی؛ اس کے ماننے والوں کا تعلق آسمان سے قائم ہوگا اور وہ نہایت بلندی سے سرفراز کئے جائیں گے؛ اور یہ کہ اسلام میں ایسے نافع الناس وجود ہر دور میں پیدا ہوتے رہیں گے جن سے لوگ روحانی و اخلاقی فیض حاصل کرتے رہیں گے۔افسوس کا مقام ہے کہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی طرح مسلمان بھی یہ ماننے لگ گئے ہیں کہ اسلام ایک ایسا درخت بن چکا ہے جس پر اب کوئی پھل نہیں لگتا اور اس کے ثمرات اب ماضی کا قصہ بن چکے ہیں۔ یعنی ان کے بقول مسلمانوں میں اب کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوسکتا جس کو مکالمہ و مخاطبہ الٰہی کا شرف عطا کیا جاسکے اور وہ وحی والہام کی روشنی میں خلقِ خُدا کی ہدایت اور تبلیغ اسلام کا کام سرانجام دے سکے۔

مردہ زمین کا زندہ کرنا

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِاللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ☆ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ☆ (حدید - 18-57:17)

کیا ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس حق (کے رعب) سے جو اترا ہے ان کے دل پھٹ کر گر جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جو پہلے کتاب دیئے گئے تھے؟ پس ان پر زمانہ طول پکڑ گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں بدعہد تھے۔ جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد ضرور زندہ کرتا ہے۔ہم آیات کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو۔

سورہ حدید کی ان آیات میں لوگوں کی مثال زمین سے اور وحی کی مثال بارش سے بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ محکم اصول اور غیر مبدل سنت بیان فرمائی ہے کہ جس طرح وہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا کرتا ہے۔اسی طرح انسانوں کی روحانی موت کے بعد وہ انہیں وحی کی بارش کے ذریعے دوبارہ زندہ کرتا ہے۔اس مثال کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو خبردار کیا ہے کہ دیکھو پچھلے لوگوں کی طرح مت ہوجانا جن کو جب نبی کے ذریعے

شریعت دی گئی اور پھران پر ایک مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور جب اس سختی کو دور کرنے کیلئے خدا نے ان پر روحانی بارش برسائی تو انہوں نے اپنے دلوں کے دروازے اس پر بند کر لئے اور اس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

تاریخ کا مطالعہ بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ الہامی تعلیم کے نازل ہونے کے بعد جب اس پر ایک لمبا عرصہ گزر جاتا ہے تو اصل تعلیم آہستہ آہستہ فراموش کر دی جاتی ہے اور نفسانی خواہشات کے تحت کی گئی من مانی تصریحات اس میں داخل کر دی جاتی ہیں۔اصل تعلیم انسانوں کو نرم دل اور خلق خدا سے محبت کرنیوالا بناتی ہے جبکہ انسانی دست برد کا شکار ہونے کے بعد اس تعلیم میں سختی،تعصب اور اپنے سوا سب کو قابل گردن زدنی سمجھنے کے اصول رواج پا جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح وہ زمین کو مردہ حالت میں نہیں چھوڑتا اور بارش برسا کر اسے مردہ سے زندہ کر دیتا ہے تا کہ انسانی جسم کی بقاء کے لئے اس زمین سے خوراک اگائی جاسکے اسی طرح سخت بلکہ مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے بھی وحی والہام اور تازہ بتازہ کلام الٰہی اور نشانات کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے تا کہ انسان کی روحانی زندگی کی نشو ونما ہوتی رہے۔

قرآن کے بارے میں اختلافات کا فیصلہ

وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْہِ ۙ وَ ھُدًی وَّ رَحْمَۃً لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ☆(النحل۔16:65)

اور ہم نے تجھ پر کتاب نہیں اتاری مگر اس لئے کہ جس بارے میں وہ اختلاف کرتے ہیں تو ان کے لئے خوب کھول کر بیان کر دے۔اور (اس لئے کہ یہ کتاب) ایمان لانے والی قوم کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کر دیا۔یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بہت بڑا نشان ہے جو (بات) سنتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم اس لئے نازل کیا گیا ہے تا کہ ان لوگوں کو جو اس میں اختلاف کرتے ہیں یعنی قرآنی آیات کے مطالب و معانی میں اختلاف کرتے ہیں یا اسے اپنی زندگیوں میں ایک مشعل راہ بنانے میں اختلاف کرتے ہیں،اس میں ناسخ و منسوخ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور حدیث کو قرآن پر قاضی سمجھتے ہیں انہیں سمجھایا جاسکے۔یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں قرآن کریم میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔تمام صحابہ کرامؓ اس کتاب کو اپنے لئے اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک رہنماء کتاب مانتے تھے۔اس میں اختلافات بعد کے ادوار میں شروع ہوئے جن کو ختم کرنے کے لئے مسیح موعود کا بطور حکم عدل نازل ہونا حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ میں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بطور حکم عدل آمد کی خبر ہے جن پر قرآن کریم کے معارف نازل

کئے گئے تا کہ وہ لوگوں میں اس کے متعلق پائے جانے والے اختلافات کا فیصلہ فرما سکیں۔اسی سورہ مبارکہ کی آیت۔45 میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن کریم آپؐ پر اس لئے نازل کیا ہے تا کہ آپؐ اسے لوگوں کو وضاحت سے سمجھا دیں اور وہ اس میں غور وفکر کریں۔

---وَ اَنْزَلْنَااِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ☆ (النّحل۔16:45)---

اور ہم نے تیری طرف ذکر اتارا ہے تا کہ تو اچھی طرح لوگوں پر اس کی وضاحت کر دے جو ان کی طرف نازل کیا گیا تھا اور تا کہ وہ تفکّر کریں

اس آیت کریمہ میں اختلافات کا ذکر نہیں ہے بلکہ اسے لوگوں کو کھول کھول کر مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ لامحالہ یہاں رسول اکرم ﷺ ہی مراد ہیں جبکہ آیت۔65 نزول قرآن کی وجہ اس میں ہونے والے اختلافات کا وضاحت سے فیصلہ کرنے کا ذکر ہے۔جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں تو قرآن کریم میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں تھا۔ یہ اختلافات بعد کے دور کی پیداوار ہیں جنہیں حل کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ کے نزول ثانی کی خبر دی گئی۔

مومنوں کو ایمان لانے کا حکم

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِکَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا☆ (النساء - 4:137)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے اتاری تھی۔اور جو اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یوم آخر کا تو یقیناً وہ بہت ہی دور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ☆ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ☆(سورة الصّف - 61:11-12)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت پر مطلع کروں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات دے گی؟ ایمان لاؤ

اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے اموال کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

مندرجہ بالا آیات اس بات کی واضح نشاندہی کر رہی ہیں کہ ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والے ہر وجود پر ایمان لانا لازمی ہے اور وہ اپنے پیدائشی ایمان کو بہانہ بنا کر امام وقت کی اطاعت سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ سے، جو پہلے ہی آپؐ سے وفاداری اور اسلام کی خاطر جینے مرنے کا حلف اٹھا چکے تھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ ان آیات میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مومنین خدا کی راہ میں مالی اور جانی قربانی کرنے میں سست ہو سکتے ہیں۔ ان کو راہ راست پر لانے کیلئے ایسے وجود مبعوث ہوتے رہیں گے جو ان کو تجدید بیعت و اطاعت کی طرف لائیں گے اور خدا کی راہ میں اس کے دین کی اشاعت کی خاطر ان سے مالی اور جانی قربانی طلب کریں گے۔ ان پر ایمان لانا مومنین کیلئے لازمی ہوگا۔

ان آیات میں ایسے لوگوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے جو مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کی عملی زندگی مومنانہ حالت سے بہت دور ہوتی ہے۔ وہ اپنی اس حالت پر آگاہ بھی ہوتے ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں لیکن خود اس حالت کو بدلنے پر قادر نہیں ہوتے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم واقعی ایمان رکھنے والے ہو تو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے مصلح پر ایمان لانا چاہیئے جو تمہیں اس دنیا میں درپیش مسائل کے ساتھ ساتھ آخرت کے عذاب سے بھی چھٹکارا دلوا سکتا ہے۔

میثاق النبیّین

سورہ آل عمران کی آیت۔۸۲ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے عہد کا ذکر فرمایا جو انبیاء سے اور ان کے ذریعے ان کی قوموں سے لیا گیا تھا کہ جب بھی ان کے پاس ان کی تعلیم کا مصدق رسول آئے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان پر فرض عین ہوگا۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝

اور جب اللہ نے نبیوں کا میثاق لیا کہ جبکہ میں تمہیں کتاب اور حکمت دے چکا ہوں پھر اگر کوئی ایسا رسول تمہارے پاس آئے جو اس بات کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لے آؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس بات پر مجھ سے عہد باندھتے ہو؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم اقرار کرتے ہیں۔ اس نے کہا پس تم گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (آل عمران.3:82)

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَ مِنکَ وَ مِنْ نُوحٍ وَّ اِبْرَاھِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ صلے وَ اَخَذْنَا مِنْھُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا o (احزاب۔33:8)

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور تجھ سے بھی اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے۔اور ہم نے ان سے بہت پختہ عہد لیا تھا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عہد نہ صرف انبیائے سابقین سے بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی لیا گیا۔اس عہد کی رو سے امت محمدیہ پر بھی یہ فرض عائد کیا گیا اور یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی ایسا رسول آئے جو اسلام کی تصدیق کرے، اور آنحضرت ﷺ کو خاتم النبین تسلیم کرے تو اس کو مانیں اور اس کی مدد و نصرت کریں۔اس ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ نے (اصری) کہا ہے یعنی میرا ذمہ۔ یہ وہ بوجھ ہے جو اللہ نے ہم پر ڈالا ہے اور اللہ ہم پر ایسا بوجھ کبھی نہیں ڈالتا جس کو ہم اٹھا نہ سکیں اور بعد میں اس کو اتارنا پڑے۔ '' لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا''

رسالہ ختم نبوۃ کی اشاعت اپریل 1988ء میں ایک مولوی صاحب نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ سورہ الاعراف آیت۔158 میں جو ذکر ہے کہ اس رسول نبی امّی ﷺ نے مومنین سے ان کا بوجھ (اصــرھــم) اتار دیا ہے اس سے مراد وہی بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میثاق النبیین کے ذریعے انسانوں پر عائد کیا تھا لیکن اب چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا اس لئے ہمیں اس بوجھ سے فارغ کر دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اول تو خدا ایسا بوجھ عائد ہی نہیں کرتا جس کو انسان اٹھا نہ سکے یا اسے بعد میں ہٹانا پڑے۔دوسرے یہ کہ الاعراف۔158 میں لفظ '' اصـــری '' نہیں ہے بلکہ '' اصـــرھــم '' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر خود ایسے بوجھ لاد لیتے ہیں جن سے وہ پھر خود ہی چھٹکارا نہیں پا سکتے اور خدا کے انبیاء آ کر انہیں ان بوجھوں سے نجات دیتے ہیں۔آنحضرت ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ o وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ o الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ o (الم نشرح - 4-94:2)

کیا ہم نے تیری خاطر تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تجھ سے ہم نے تیرا بوجھ اتار نہیں دیا جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی؟

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان خود اپنے اوپر ایسے بوجھ عائد کرتا ہے تبھی خدا نے ان آیات میں بھی لفظ '' وزرک '' فرمایا۔یعنی تیرا بوجھ۔ اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے '' اصرھم '' فرمایا جس کو آنحضرت ﷺ نے مومنوں سے اتار دیا نہ کہ '' اصری ''۔اس ضمنی بات کو بیان کرنے کے بعد عرض ہے کہ میثاق کو پورا نہ کرنے کی صورت میں اور خدا سے کئے گئے اس عہد کو توڑنے کی سزا کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے

وَالَّـذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَاللّٰہِ مِنْۢ بَـعْـدِ مِیْثَـاقِہٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ لا اُولٰٓئِکَ لَھُمُ اللَّعْنَۃُ وَ لَھُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ o (الرعد - 13:26)

اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پختگی سے باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اسے قطع کرتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے لعنت ہے اور ان کیلئے بدتر گھر ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں ان ملاؤں کا حال ترتیب وار بیان کر دیا گیا ہے جنہوں نے پہلے تو اللہ سے کئے گئے عہد کو توڑا یعنی حضرت امام مہدی علیہ السلام کو ماننے اور ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ صف کی آیت۔۱۵ میں ان حواریانِ مسیح کا مثیل بننے کا حکم دیا تھا جنہوں نے مسیحؑ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کہا تھا کہ ہم ہیں انصار اللہ یعنی اللہ کے دین کے مددگار۔ انکار کا پہلا قدم اٹھاتے ہوئے ان ملاؤں نے مسیح ثانی پر ایمان لانے اور انصار اللہ بننے سے انکار کیا اور پھر اس آیت کریمہ میں بیان کردہ دوسری نشانی کو پورا کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیدیا اور اس طرح اس امت کے ٹکڑے کر ڈالے جس کو جوڑنے اور ایک رکھنے کا حکم خدا نے دیا تھا اور پھر اس کے بعد تیسری علامت کے طور پر انہوں نے مختلف تحریکات کے ذریعے ملک میں بدامنی اور فساد برپا کیا اور نہتے لوگوں کی جان واملاک کو نقصان پہنچایا۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ☆

)اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے ؟ اور رسول تمہیں بلا رہا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ جبکہ (اے بنی آدم) وہ تم سے میثاق لے چکا ہے۔(بہتر ہوتا) اگر تم ایمان لانے والے ہوتے۔(الحدید - 57:9)

اس آیت میں ایک مرتبہ پھر اس عہد کو یاد کرواتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے آپ کو مومن کہتے ہو اور تم سے مصدق رسول کو ماننے کا عہد بھی لیا جا چکا ہے اور پھر یہ رسول کسی نئے خدا، نئی شریعت اور نئے دین کی طرف نہیں بلکہ تمہیں تمہارے ہی رب کی طرف واپس بلا رہا ہے تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود تم اس رسول کی پکار کا جواب نہیں دیتے اور اس کی بات مانتے ہوئے اپنے رب پر حقیقی ایمان نہیں لاتے۔

دوسرا

سوال

ضرورت زمانہ

خشکی اور تری میں فساد

نبوت کے ہمیشہ جاری رہنے کے محکم اصول کو جان لینے کے بعد **سوال نمبر۔2** کے مطابق اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ کونسے حالات ہیں اور زمانے کی وہ کونسی ضروریات ہیں جو ایک نبی و رسول کے بھیجے جانے کا تقاضا کرتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آتی ہے اور وہ انسانوں پر رحمت و فضل کی نگاہ کرتے ہوئے انہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانے کا سامان کرتا ہے۔

ان میں ایک اصول تو قدیم سے چلا آرہا ہے اور وہ ہے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی اور اصلاح کی غرض سے انبیاء کو بھیجنا۔ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ انسانوں کے اپنے اعمال کے باعث زمین پر فتنہ و فساد پھیل چکا ہے تو وہ انسانوں کی حالت پر رحم کرتے ہوئے ان کو دوبارہ ہدایت پر قائم کرنے کیلئے ایک ہادی کو بھیجتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دور کا نقشہ کھینچتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم - 30:42)
(اس زمانہ میں) خشکی اور تری میں لوگوں کے کاموں کی وجہ سے فساد نمایاں ہو گیا ہے۔

اس مندرجہ بالا آیت کریمہ سے پہلی والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک غیر مبدّل اصول بیان فرمایا کہ وہی ہمیں پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے اور وہی ہمیں ماریگا اور پھر زندہ کریگا۔ یہ اصول عالم جسمانی کے ساتھ ساتھ عالم روحانی میں بھی جاری وساری ہے۔ جسطرح زمین کے خشک اور بنجر ہونے کے بعد آسمان سے بارش نازل ہو کر زمین کو ایک بار پھر تروتازہ کر دیتی ہے اسی طرح دورِ نبوّت سے دور ہونے کے بعد جب دل خشک ہو کر پتھر بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک بار پھر جوش میں آ کر الہام کا پانی آسمان سے نازل فرماتا ہے اور عالم روحانی ایک بار پھر سرسبز ہو جاتا ہے۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو چکے تھے جب انسانیت عام طور پر اور مسلمان خصوصی طور پر فساد کا شکار ہو چکے تھے جس کا باعث خود ان کے اپنے اعمال تھے۔ امت مسلمہ کے عالم بھی بگڑ چکے تھے اور جاہل بھی۔ یہ صورتحال اس قدر واضح ہے اور تمام مسلمان علماء اور دانشور اس شدت سے اس بات کا اقرار کر چکے ہیں اور کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں اس کے حق میں دلیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گویا آفتاب آمد دلیل آفتاب است۔ بطور نمونہ ایک دو مثالیں حاضر ہیں۔

محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اس دور جدید میں ''عصر حاضر'' نامی ایک کتاب لکھ کر آنحضرت ﷺ کی وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن میں اس دور کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے مندرجہ ذیل پیش لفظ میں بھی لکھا ہے، اس کتاب کا سرسری مطالعہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ ان احادیث میں بیان کی گئی علامات پوری طرح آج کے دور کے علماء پر منطبق ہوتی ہیں۔ گویا یہ اپنے علماء کے بگڑنے کی ایک اور گواہی ہے جو خود ایک عالم دین کے ہاتھوں فراہم ہو رہی ہے۔

> ''دور حاضر کو سائنسی اور مادی اعتبار سے لاکھ ترقی یافتہ کہہ لیجئے لیکن اخلاقی اقدار، روحانی بصیرت اور ایمانی جوہر کی پامالی کے لحاظ سے یہ انسانیت کا بدترین دور انحطاط ہے۔ مکر وفن، دغا وفریب، شر وفساد، لہو ولعب، کفر ونفاق اور بے مروتی و دناءت کا جو طوفان ہمار یگر دوپیش بر پا ہے اس نے سفینہ انسانیت کے لئے سنگین خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ خلیفہ ارضی (بنی نوع انسان) کی فتنہ سامانیوں سے زمین لرز رہی ہے، آسمان کانپ رہا ہے اور بحر و بر، جبل و دشت اور وحوش وطیور ''الامان والحفیظ'' کی صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں، انسانیت پر نزع کی حالت طاری ہے، اس کی نبضیں ڈوب رہی ہیں اور لحمہ بہ لحمہ اس ''جان بلب مریض'' کی حالت متغیر ہوتی جا رہی ہے، یہ دیکھ کر اہل بصیرت کا یہ احساس قوی ہوتا جا رہا ہے کہ شائد اس عالم کی بساط لپیٹ دینے کا وقت زیادہ دور نہیں۔ ذیل میں احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) سے ایک آئینہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں دور حاضر کے تمام خدوخال نظر آتے ہیں اور علماء، خطباء، حکام اور عوام سبھی کے قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرمائی گئی ہے، اس کی جمع وترتیب سے مقصود کسی خاص طبقہ کی تنقیص نہیں، لالچ صرف یہ ہے کہ ہم اس شفاف آئینے میں اپنا رخ کردار دیکھ کر اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔'' مولانا محمد یوسف لدھیانوی پیش لفظ (صفحہ۔ 9)

معروف عالم دین ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (شر من تحت ادیم السماء) والی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''آج ہمیں اس صورتحال کی جھلک اپنے ان علماء میں نظر آتی ہے جنہوں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے۔ ان کی ساری دلچسپی امت میں فتنے پیدا کرنے اور اس میں تفرقہ پیدا کرکے اپنی دکان چمکانے سے ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ امت میں جتنا زیادہ اختلاف ابھرے گا، لوگوں کو مناظروں کیلئے مولویوں کی اتنی ہی زیادہ ضرورت ہوگی'' (ماہنامہ میثاق، نومبر 1996ء صفحہ 21)

علماء حاضر کی گراوٹ اور تنزّلی کے متعلق خاکسار نے انہی کے بھائی بندوں کی گواہیاں اپنی ایک تالیف ''علماء هم'' میں اکٹھی کی ہیں۔ مزید تفصیل وہاں سے معلوم کی جا سکتی ہے جو اس امر پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے کہ کس طرح ان علماء کے بگڑ جانے کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امام کے آنے کی ضرورت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے عین ضرورت کے وقت حکم عدل بنا کر بھیجا۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک

امت میں تفرقہ بازی کا ہونا

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ☆

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ شاید تم ہدایت پا جاؤ۔ (آل عمران.3:104)

سورہ آل عمران کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اظہار فرماتے ہوئے بتاتا ہے کہ جب ایسے حالات پیدا ہوں کہ لوگ آپس میں ایکدوسرے کے دشمن ہوں، فرقہ فرقہ ہوں اور اندرونی خانہ جنگیوں کے باعث تباہی کے دہانے پر کھڑے ہوں تو یہ زمانہ پکار پکار کر ایک رسول کا تقاضا کرتا ہے اور یہ کہ ان حالات کا مداوا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں رہتی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک مامور بھیجتا ہے جو گروہوں میں بٹے ہوئے اور ایکدوسرے کے خون کے پیاسے انسانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔ عالم اسلام کی موجودہ حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ امّت مسلمہ افسوسناک حد تک اختلافات اور فرقہ پرستی کا شکار ہو چکی ہے۔ مسلمانوں میں اب صرف شیعہ سنّی کی تقسیم نہیں رہی بلکہ یہ دونوں بڑے فرقے مزید بے شمار فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ فرقوں کا اختلاف اور تقسیم در تقسیم یہ ثابت کرتا ہے کہ ان حالات کی درستگی ''اتحاد بین المسلمین'' کے نام نہاد داعیوں کے ذریعے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نعمت یعنی امام الزماں کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کی مندرجہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ☆

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کی بنا) کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود (کی بنا) کسی چیز پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو کچھ علم نہیں رکھتے ان کے قول کے مشابہ بات کی۔ پس اللہ قیامت کے روز اُن کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔(البقرۃ 2:114)

سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں یہود و نصاریٰ کا طرزِ عمل بتایا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کتاب موجود ہے جس کو پڑھتے بھی ہیں لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ اسی طرح ان کے مثیل ایسے لوگ بھی ہیں جو انہی کی طرح کی باتیں کرتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں اور کتاب اللہ سے فیصلہ نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ کے یہ مثیل بخاری کتاب الاعتصام والسنۃ باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم میں بیان فرمودہ حدیث کی روشنی میں آج کے مسلمان ہی ہیں جو قرآنی علم سے بے بہرہ ہو کر یہود و نصاریٰ کی پیروی میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کا جواب

یہاں پر یہ بے جا نہ ہوگا اگر مخالفین کے جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کا ذکر اور اُس کا ردّ کر دیا جائے۔ جماعت احمدیہ پر یہ اعتراض اور الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ایک نیا فرقہ قائم کر کے پہلے سے منتشر اور فرقہ واریت کے شکار مسلمانوں کو مزید تقسیم کر رہی ہے۔ اس الزام کے برعکس جماعت احمدیہ مسلمانوں بلکہ تمام انسانیت کے اتحاد و یکجہتی کے لئے قائم کی گئی ہے اور اُسی سمت میں کام کر رہی ہے جیسا کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہامًا فرمایا گیا:

تُو برائے وصل کردن آمدی　　　　نے برائے فصل کردن آمدی

یعنی تو ملانے کے لئے آیا ہے، الگ الگ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ اعتراض خصوصی طور پر اُس گروہ کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے جنہیں عام طور پر اہلِ قرآن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ بات بالکل درست ہے کہ دین میں تفرقہ پیدا کرنا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا قرآن کریم کی رو سے سخت منع ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ☆ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ ---- (الروم - 33-3:32)

اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ (یعنی) اُن میں سے (نہ ہو) جنہوں نے اپنے دین کو تقسیم کر دیا اور وہ فرقہ فرقہ ہو چکے تھے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص --- (آلِ عمران - 104 :3)

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔

اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جماعت احمدیہ کے قیام سے مسلمانوں کا ایک نیا گروہ اور نیا فرقہ معرضِ وجود میں آیا جس کا نام اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے 1901ء کی مردم شاری میں ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' رکھا گیا۔ ان دونوں حقائق کے اعتراف کے بعد یہ دیکھنا باقی ہے کہ کیا کسی بھی قسم کا فرقہ یا گروہ بنانا غیر اسلامی فعل ہے اور کیا واقعی جماعت احمدیہ قرآنِ کریم کی ان مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ کی رو سے، جنہیں پیش کر کے قرآنی فکر کے نام نہاد دعویدار حضرات خصوصی طور پر جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت پھیلانے کا الزام عائد کرتے ہیں، امرِ واقعہ کے طور پر ایک غیر اسلامی اور غیر قرآنی فعل کی مرتکب ہوئی ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ فکرِ قرآنی کے ان نام نہاد علمبرداروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ دیگر فرقوں کی طرح جماعت احمدیہ بھی کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دے کر اپنے پیشرؤوں کی سنّت پر چل رہی ہے۔ اس الزام میں کتنی صداقت ہے یا باقی الزامات کی طرح یہ بھی جھوٹ کا ایک پلندہ ہے یہ اس وقت ہمارے اس موضوع سے تعلق نہیں رکھتا۔ صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ احمدیوں کو کلمہ گو ہونے کے باوجود انہی حضرات کے سرخیل ایک صاحب انہیں کافر قرار دینے کی پوری سعی فرماتے رہے اور اُن کے پیروکاروں کی طرف سے آج تک اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ ایک مشہور مقدمہ میں جج صاحب کو انہی صاحب کی فکر سے رہنمائی ملی اور انہوں نے ایک غیر احمدی خاتون کا ایک احمدی سے نکاح انہی صاحب کے دلائل سے متاثر ہو کر فسخ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ فرقے:

جب ہم اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اس زمین میں تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے، کہیں پہاڑ ہیں تو کہیں میدان، کہیں گھنے جنگل ہیں تو کہیں صحراء اور دلدلی علاقے، وہاں انسانوں میں بھی بہت سی بنیادوں پر اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس دنیا میں مختلف نسلوں اور قومیّتوں کے لوگ بستے ہیں جن کے رنگ اور زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اُستاد ابراہیم ذوق نے کہا ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

بسا اوقات ایک ہی قوم کے لوگ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسانوں کی عادات، طبائع اور ہنرمندیوں اور ذہنی وجسمانی

لیاقتوں میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔مختلف قوموں کی تہذیب وتمدّن بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ معاشی اور اقتصادی طور پر بھی انسانوں میں فرق پایا جاتا ہے۔امیر،متوسط اور غریب کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر نہایت نچلے درجے کے ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو کچھ بھی نہیں کماتے اور ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔قوموں اور گروہوں کے ساتھ ساتھ یہ اختلاف افراد کے درمیان بھی پایا جاتا ہے اور ایک ہی گھر میں پلنے والے ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں عادات،طبائع اور رجحانات کا فرق عام مشاہدہ میں دیکھا گیا ہے۔غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں تنوع اور تفاوت پایا جاتا ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے کسی باریک نظر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت نہیں کہ یہ تمام اختلافات اور فرق پیدا کرنے میں انسان کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہ تمام اختلافات قدرتی اور فطری ہیں۔یہ ہمارے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہی پروان چڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔گویا یہ تمام اختلافات خود اللہ تعالیٰ کے اپنے پیدا کردہ ہیں اور حیاتِ انسانی کا ایک ناگزیر حصّہ ہیں جن کے ساتھ ہمیں زندگی گزارنی ہے۔اللہ تعالیٰ (المائدۃ 5:49) میں فرماتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک جیسا ہی پیدا کر دیتا لیکن اُن کو ایک دوسرے سے مختلف بنا کر وہ اُن کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔

قرآنِ کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان گروہوں یعنی انسانوں کے مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونے کے عمل کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اور زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کو اپنی آیات میں سے قرار دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے:

..وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ... (الحجرات ۔ 49:14)

اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ٥

اور اس کے نشانات میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف بھی۔یقیناً اس میں عالموں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔(الروم ۔30:23)

انبیاءؑ کے قائم کردہ فرقے:

سماجی،معاشی اور معاشرتی پہلوؤں میں فطری اور قدرتی اختلافات کو جاننے کے بعد جب ہم مذہبی تاریخ پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے پہلے تمام انسان،جن کی طرف انبیاءؑ مبعوث ہوتے ہیں،ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔قومی اور معاشرتی اثر کے تحت وہ تمام لوگ ایک ہی طرح کے افعال کر رہے ہوتے ہیں اور ان کا کاروبارِ حیات ایک ہی ڈگر پر چل رہا ہوتا ہے۔تب اُن کے درمیان ایک نبی مبعوث ہوتا ہے جو اُن کے status quo کو درہم برہم کرتے ہوئے اُنہیں اُن کی برائیوں کی طرف متوجہ کر کے انہیں دور کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔تب اُس مشترک دین اور اقدار و روایات رکھنے والی متحد قوم کے اندر ایک دراڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اُس میں دو فرقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ایک فرقہ اُس نبی کی دعوت پر لبیک کہتا ہے جبکہ دوسرا فرقہ اُس کا انکار کر کے اُس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ انسانوں میں قدرتی اور فطری فرقوں کے ساتھ ساتھ ایسے مذہبی فرقے بھی

پائے جاتے ہیں جو انبیاءعلیہم السلام کی آمد سے اُن کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ص وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا م بَيْنَهُمْ ج ... (البقرة2:214)

تمام انسان ایک ہی امّت تھے۔پس اللہ نے نبی مبعوث کئے اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے تھے اور انذار کرنے والے تھے۔اور ان کے ساتھ حق پر مبنی ایک کتاب بھی نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور پر فیصلہ کرے جن میں انہوں نے اختلاف کیا۔اور اس (کتاب) میں اختلاف نہیں کیا مگر باہم بغاوت کی بناء پر انہی لوگوں نے، جنہیں وہ دی گئی تھی، بعد اس کے کہ کھلی کھلی نشانیاں ان کے پاس آ چکی تھیں۔

یعنی انبیاء کے آنے سے پہلے تمام لوگ اُمّتِ واحدہ یعنی ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اور بظاہر ان میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی اور پتہ نہیں چلتا کہ ان میں خبیث کون ہے اور طیّب کون۔ یہ معاملہ چونکہ دل سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو غیب پر مطلع نہیں کرتا کہ وہ کسی کے دل کی بات کو جاننے کا دعویٰ کرتے ہوئے اسے خبیث یا طیّب قرار دے لہٰذا ان کے درمیان ایک نبی مبعوث کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے علم پا کر طیّب کو خبیث سے الگ کرتا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ص ...(آلِ عمران - 3:180)

اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیّب سے نتھار کر الگ کر دے۔ اور اللہ کی یہ سنّت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے۔ بلکہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔

اس ضمن میں قرآنِ کریم میں ایک مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بیان فرمائی گئی کہ جب انہوں نے نبوّت کا دعویٰ فرمایا اور لوگوں کو اپنی طرف بلایا تو بنی اسرائیل میں دو گروہ بن گئے۔ ایک نے انہیں مان لیا اور دوسرے نے ان کا انکار کر دیا۔

...فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ م بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ج (الصّف61:15)

پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کے ماننے والوں کو حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ اور منکرین کو حزب الشیطان قرار دیتا ہے۔

...اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o (المجادلة - 58:20)

خبردار! شیطان ہی کا گروہ ہے جو ضرور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (المجادلة ۔ 58:23)
خبردار! اللہ ہی کا گروہ ہے جو کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔

لفظ ''فرقه'' کا تجزیہ:

اس لفظ کا مادہ ''ف رق'' ہے جس کے بنیادی معنی ہیں الگ الگ ہونا جیسے سر میں مانگ نکال کر بالوں کو الگ الگ کر دینا۔ کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ کفّار کا قرآنِ کریم پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ ''جُمْلَةً وَّاحِدَةً'' کی شکل میں کیوں نازل نہیں ہوا (الفرقان25:33) جس کا ایک جواب تو اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں یہ دیا کہ: ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ تا کہ ہم اس کے ذریعے تیرے دل کو ثبات عطا کریں اور (اسی طرح) ہم نے اسے بہت مستحکم اور سلیس بنایا ہے۔ جبکہ دوسری جگہ فرمایا:

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا٥ (بنی اسرائیل ۔ 17:107)
اور قرآن وہ ہے کہ اسے ہم نے ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہے تا کہ تُو اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور ہم نے اسے بڑی قوّت اور تدریج کے ساتھ اتارا ہے۔

یعنی قرآنِ کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا گیا تا کہ ایک تو رسول اللہ ﷺ پر بوجھ نہ بنے اور دوسرے لوگوں کو تدریجی طور پر احکامات ملتے رہیں۔ ''ف رق'' کے اس مادہ میں حق و باطل کو الگ الگ کر دینے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کو فرقان کہا گیا ہے یعنی حق و باطل میں فرق کر کے دکھانے والا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ٥ (الفرقان ۔ 25:2)
بس ایک وہی برکت والا ثابت ہوا جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تا کہ وہ سب جہانوں کے لئے ڈرانے والا بنے۔
بنی اسرائیل کی گئو پرستی سے بیزاری اور بریّت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اپنے اور اپنے بھائی کے لئے فاسقوں کی قوم سے الگ قرار دیئے جانے کی دعا کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ ٥ (المائدة ۔ 5:26)
اس نے کہا اے میرے ربّ! یقیناً میں کسی پر اختیار نہیں رکھتا سوائے اپنے نفس اور اپنے بھائی کے۔ پس ہمارے درمیان اور فاسق قوم کے درمیان فرق کر دے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل اور اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان فرق ڈالنے کی دعا کرتے ہیں وہاں حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کو گئو پرستی سے سختی سے نہ روک سکنے کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ:

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ o

اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! تُو میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ۔ میں تو اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں تُو یہ نہ کہے کہ تُو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلے کا انتظار نہ کیا۔(طٰہٰ ۔ 20:95)

اس آیت کو قرآنی فکر کے نام نہاد علمبردار یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضرت ہارون علیہ السلام نے گئوپرستی برداشت کر لی لیکن بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالنا پسند نہ کیا۔ ان کا فرقہ پرستی کے خلاف اس آیت سے استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ قرآنِ کریم کی رو سے تو دونوں باتیں شرک ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا کا نبی ایک شرک سے ڈر کر دوسرے شرک کو قبول کر لے۔ حضرت ہارون علیہ السلام دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع نبی تھے اور ہر کام میں ان کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بنی اسرائیل میں بغاوت کے ڈر سے ان پر سختی نہیں کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منتظر رہے جنہوں نے طورِ سیناء سے واپس آ کر خدا کے حضور بنی اسرائیل کے گئو پرستی کے گناہ سے اپنی اور اپنے بھائی کی بریٔت کا اظہار کیا۔ چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام خود براہِ راست مامور نہیں تھے اور نہ ہی قرآنِ کریم میں ایسی کوئی وضاحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں براہِ راست کوئی وحی کی ہو اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں مومنین کو منکرین اور اطاعت گزاروں کو باغیوں سے جدا کرنے اور اُن کا ایک الگ گروہ بنانے کی سعی نہیں کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرتے رہے کہ وہ آ کر خود کوئی قدم اٹھائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ تمام کے تمام بنی اسرائیل گئو پرستی میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اُن کے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی بھی حق پر قائم نہیں رہا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اُن کو اور اُن کے بھائی کو یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو دیگر قوم سے الگ شمار فرما۔ یعنی تب بنی اسرائیل میں دو فرقے بن گئے۔ ایک فرقہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیھما السلام تھے اور دوسرے فرقہ میں باقی تمام بنی اسرائیل کے افراد۔

مہاجرین اور انصار کے گروہ

قرآن کریم میں جہاں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام ''مسلمان'' رکھا ہے وہاں خود مسلمانوں کے اندر اُن کی امتیازی خصوصیات کو بیان کرنے کے لئے اُنہیں دوسرے ناموں سے بھی پکارا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں مسلمان عورتوں کو مہاجرات بھی کہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ (الممتحنۃ۔ 60:11)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں مہاجر ہونے کی حالت میں آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیات کے علاوہ دیگر چند آیات میں مومنین کو سابقون الاوّلون، مہاجرین اور انصار کے مختلف ناموں سے پکار کر ان کی

شناخت کی گئی ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ ---(التوبة۔ 9:100)
اورمہاجرین اورانصار میں سے سبقت لے جانے والے اوّلین۔۔۔

ان ناموں سے بلائے جانے اور ذکر کئے جانے سے ہرگز یہ مرادنہیں کہ مسلمانوں میں کوئی فرقہ بندی پیدا کی جارہی ہے بلکہ یہ نام محض شناخت کے لئے رکھے گئے ہیں۔

مومنین، منکرین اورمنافقین کے گروہ:

ان قدرتی اورفطری تفرقات اورانبیاءعلیہم السلام کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مومنین اورمنکرین کے گروہوں میں فرق کے علاوہ خود مومنین کے درمیان بھی درجوں کا فرق پایا جاتا ہے۔اِن آیات میں اللہ تعالیٰ مومنین کے چار منعم علیہ گروہوں کا ذکر فرماتا ہے:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًا ؕ ○ (النساء ۔ 4:70)

اور جوبھی اللہ کی اور اِس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جواُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے(یعنی) نبیوں میں سے،صدیقوں میں سے،شہیدوں میں سےاورصالحین میں سے۔اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اسی طرح مومنین اور منافقین اورمومنین اورمنکرین کواُن کی صفات کے ذریعے بھی ایک دوسرے سے الگ الگ گروہ قرار دیا گیا ہےاوراندھےاور بینا، عالم اور جاہل، گھر میں بیٹھ رہنے والے اوراللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے وغیرہ وغیرہ کی مثالیں بیان کرکے پوچھا گیا ہے کہ کیا یہ ایک دوسرے کے برابر ہوسکتے ہیں۔

کس نوعیت کی فرقہ واریت غلط ہے؟

یہاں پھر یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سارے تفرقات اوراختلافات قدرتی اورفطری ہیں اورخود انبیاءعلیہم السلام کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں تو پھرآخروہ کس طرح کی فرقہ واریت ہے،جس کی مذمّت فرمائی گئی ہے بلکہ اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاءعلیہم السلام جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیا دین اورنئی شریعت لے کرآتے ہیں یا پہلے سے موجودلیکن گم شدہ سچّائی کودوبارہ بحال کرتے ہیں تواس کے نتیجے میں جو نئی جماعت معرضِ وجود میں آتی ہےاور جودین قائم ہوتا ہےاُس میں تفرقہ ڈالنا اوراس کی من مانی تشریحات کرکے اللہ تعالیٰ کی وحی والہام کے ماتحت یااس کے ارادے سےنہیں بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے اللہ اوراس کے رسول کے نام پر جواختلافات پیدا کئے جاتے ہیں اورگروہ بندیاں قائم کرکے دوسرے گروہوں کے افراد کوجودین سے خارج قرار دیا جاتا ہے، وہ فرقہ واریت شرک اورقابلِ مذمّت ٹھہرائی گئی ہے۔

قرآنِ کریم میں گروہوں اور فرقوں کے لئے فرقہ؛ طائفہ، حزب اور شیعہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن جہاں ان کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کی گئی ہے وہاں ان کی مذمّت نہیں بلکہ انہیں دوسروں کے مقابلے میں کامیاب گروہ قرار دیا گیا ہے (المجادلۃ 58:20,23)؛ (الصّف 61:15) اور مسلمانوں کے ہر فرقہ سے کچھ لوگوں کو تحصیل علم کے لئے نکلنے کی ترغیب دی گئی ہے (التوبۃ 9:122) اور جہاں ان کی نسبت عام انسانوں کی طرف کی گئی ہے وہاں اس کی مذمّت کرتے ہوئے اُس سے منع فرمایا گیا ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کو ''شیعہ'' بننے یعنی گروہوں میں بٹنے سے منع فرمایا گیا ہے (الرّوم 30:33) جبکہ دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ کو حضرت نوحؑ کے ''شیعہ'' یعنی گروہ میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (الصّافات 37:84)

قابلِ مذمّت فرقہ واریت کی علامات:

قابلِ مذمّت اور شرک پر مبنی فرقہ واریت کی سب سے پہلی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُس کی بنیاد نبی کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ اس کے بعد اُس کے ایسے پیروکاروں کے ہاتھ سے رکھی جاتی ہے جو اصل دین سے گمراہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس کی دوسری بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ اصل دین تو تمام ادیان کے پیشواؤں کے احترام کا سبق دیتے ہوئے اور ان میں موجود سچائیوں کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اور اُن میں مشترک کلمات کی بنیاد پر اُن کو اتحاد کی دعوت دیتا ہے،

قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ م بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ ... (ال عمران۔ 3:65)

تُو کہہ دے اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔۔۔

جبکہ اس کے برعکس فرقہ پرست لوگ اپنے پاس موجود جزوی سچائی کو ہی مکمل دین و ایمان سمجھ کر اُس پر خوش ہوتے رہتے ہیں،

...کُلُّ حِزْبٍ م بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ o (الروم۔ 30:33)

ہر گروہ (والے) جو اُن کے پاس تھا اُس پر اِترا رہے تھے

اور دوسرے فرقوں کی جزوی سچائی کو بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُسے مکمل کفر قرار دیتے ہیں:

وَ قَالَتِ الْیَھُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ص وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَھُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ لا وَّ ھُمْ یَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ط ..

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کی بنا) کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود (کی بنا) کسی چیز پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ (البقرۃ۔ 2:114)

ایسی فرقہ واریت کی ایک اور اہم علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اختلافات کے حل کے لئے کلام اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ انسانوں کی من گھڑت تشریحات کو کلام الٰہی پر فوقیت دیتے ہیں اور کلام اللہ سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جو لوگ کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے بھی ہیں وہ بھی اس کے بعض حصّوں کو اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق نہ پا کر اسے لوگوں سے چھپا دیتے ہیں اور اس طرح عملی طور پر اس کے منکر بن جاتے ہیں گو اعتقادی طور پر اس کے ایک

ایک حرف کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہوں۔ جب ایسے لوگوں کو کلام الٰہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور اُن کے درمیان اختلافات کو اس کتاب کی روشنی میں حل کرنے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اُس سے منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ وَ ھُمْ مُّعْرِضُوْنَ o (آلِ عمران ۔ 3:24)

کیا تُو نے اُن کی طرف نظر نہیں دوڑائی جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر بھی ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس فرقہ واریت کی ایک اور اہم علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ کلام اللہ کو چھوڑ کر لوگ اپنے علماء و مشائخ کو اپنا پیشوا اور معبود بنا لیتے ہیں اور وہ انہیں دین کے نام پر جو بھی کہتے ہیں یہ آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ یہ علماء لوگوں کو مندرجہ ذیل چار غلط عقائد میں الجھا کر اُنہیں راہِ حق سے ہٹا کر بہکا دیتے ہیں اور اپنی حکومت اُن پر قائم کر لیتے ہیں:

(1) وحی والہام کا دروازہ اب بالکل بند ہے اور اللہ تعالیٰ کسی سے بھی اب کلام نہیں کرتا:
(2) رسالت منقطع ہے اور اب کوئی نیا رسول نہیں آ سکتا:
(3) پرانا نبی آ سکتا ہے:
(4) ہمارے دور کا مدعی نبوّت سخت گمراہ انسان ہے۔

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں یہ فرقہ سازی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہو تو وہ ایک فطری اور احسن عمل ہے لیکن اگر وہی عمل انسانوں کی طرف سے کیا جائے تو وہ شرک اور قابلِ مذمّت بن جاتا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نبی مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپ کی دعوت کے نتیجے میں جو ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' وجود میں آیا، جیسا کہ آپؑ نے 1901ء کی مردم شماری میں اپنی جماعت کا یہ نام رکھا، وہ سنّت اللہ اور سنّتِ انبیاء کے عین مطابق تھا جبکہ دوسرے مسلمان فرقے مثلاً شیعہ، سُنّی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، چکڑالوی وغیرہ چونکہ انسانوں کے قائم کردہ ہیں اس لئے غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہیں۔ جماعت احمدیہ دوسرے مسلمان فرقوں کی طرح افراط وتفریط کا شکار نہیں بلکہ دین کو اُس کی تمام جزئیات کے ساتھ مانتے ہوئے ایک متوازن راہ پر گامزن ہے۔ اُس میں نماز پڑھنے کے طریقوں اور فقہی اختلافات پر جھگڑے نہیں ہوتے۔ وہ جہاں خلفائے راشدینؓ کے اعلیٰ مرتبے کی قائل ہے اور تمام صحابہ کرامؓ کی عظمت وسعادت کی قائل ہے وہاں وہ حُبِّ اہل بیت کو بھی ایمان کی ایک کڑی قرار دیتی ہے۔ جیسا کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: { ***جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است خاکم نثار کوچہء آلِ محمدؐ است*** } جماعت احمدیہ جہاں شخصی تقلید کی بجائے قرآن وسنّت کو دینِ اسلام کا ماخذ قرار دیتی ہے وہاں فقہائے اربعہؒ کی باتوں کو بھی ردّ نہیں کرتی بلکہ فقہ کے میدان میں ان کی قابل قدر کاوشوں کو اپنے لئے مینارۂ نور سمجھتی ہے اور جدید دور کے فقہی مسائل کے حل کے لئے انہیں بنیاد بناتی ہے۔ وہ جہاں شرک اور بدعت سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے خالص توحید کی قائل ہے وہاں حُبِّ رسول ﷺ اور اولیائے کرامؒ کی محبت وعزّت کو بھی اسلام اور ایمان کا ایک ناقابلِ تنسیخ معیار سمجھتی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بزرگانِؒ دین اور اولیائے کرامؒ کے مقدس وجودوں کو اسلام کے زندہ مذہب ہونے کی

ایک بھر پور علامت قرار دیا ہے۔حدیث کو قرآن پر قاضی نہ سمجھنا اور ہر معاملے میں رہنمائی کے لئے قرآنِ کریم کو اوّلین مآخذ سمجھنا اور حدیثوں کو بطورِ ثبوت کے یقین رکھنا بھی جماعت احمدیہ کا ایک خاص وصف ہے جو اسے قرآن و حدیث کے معاملے میں غلو کرنے والوں سے ممتاز کرتا ہے۔یعنی جماعت احمدیہ نہ تو حدیثوں کا انکار کرتی ہے اور نہ ہی انہیں قرآن پر حجت قرار دیتی ہے۔اسی طرح ناسخ ومنسوخ اور قتلِ مرتد جیسے معاملوں میں وہ اہلِ قرآن کے گروہ کی تائید کرتی ہے۔جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کی تردید مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہو جاتی ہے:

روایت از حضرت امام دین صاحب ولد محمد صدیق صاحب سکنہ سیکھواں ضلع گورداسپور حال وارد محلّہ دارالرحمت قادیان ۔ سنہ بیعت 1891/1890

''جب کرم دین نے جہلم میں حضرت صاحب پر دعویٰ دائر کیا تو طلبی ہوئی تو آپ جہلم کی طرف روانہ ہوئے۔ بٹالہ کے سٹیشن پر بہت ساری جماعت جمع ہوگئی۔سب دوست حضور کے ہمراہ گاڑی پر سوار ہوئے تھے۔مواہب الرحمٰن کتاب عربی زبان میں جو حضور نے تالیف کی تھی راتوں رات چھپوا کر ہمراہ لی تھی۔اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ خدا تعالیٰ ہمیں فتح دے گا۔وہ جاتے وقت راستہ میں تقسیم کرنی شروع کر دی تھی۔ جاتے وقت حضور مع جماعت لاہور منشی چراغ دین صاحب کے مکان پر ٹھہرے۔ جب شام کے بعد مجلس بیٹھ گئی تو ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور لوگ کہتے ہیں جب سے آپ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو لوگوں میں چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی ہے تو آپ نے جواب میں کہا کہ کوئی شخص درزی کے مکان پر جاوے تو درزی تھان کپڑا اپھاڑتا ہے تو اس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ تھان کپڑا کا ضائع کر رہا ہے بلکہ قابل استعمال بناتا ہے ورنہ تھان بیکار پڑے ہوتے ہیں سو اس طرح ہم ان کو قابل استعمال بناتے ہیں۔یعنی صحیح طریق پر چلانا چاہتے ہیں۔''(رجسٹر روایات صحابہ جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 63)

ان تمام وضاحتوں سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ جماعتِ احمدیہ نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ جس گروہ اور حزب نے بھی دین کا ایک جزو لے کر اسے کُل سمجھا ہوا ہے ان تمام اجزاء کو اکٹھا کر کے دینِ اسلام کو پھر سے یکجا کر دیا ہے۔اس جماعت کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور حکم عدل مسلمان فرقوں کے اختلافات ایسے فیصلے فرمائے ہیں جنہوں نے انسانوں کے پیدا کردہ تفرقات کو مٹا کر ایک الٰہی جماعت کے قیام کی راہیں ہموار کی ہیں۔چنانچہ اس کے قیام سے لے کر آج تک مسلمانوں میں سے اس میں سُنّی بھی شامل ہو رہے ہیں، شیعہ بھی، غیر مقلّد اہلحدیث حضرات بھی شامل ہو رہے ہیں اور مقلّدین بھی۔ایسی جماعت پر فرقہ بازی کا الزام کا باعث سوائے تعصّب اور جہالت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

خبیث اور طیّب کی تمیز

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ☆

اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال میں چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیب سے نتھار کر الگ کر دے۔اور اللہ کی یہ سنت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے۔ بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے۔پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس

کے رسولوں پر۔اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔(آل عمران 3:180)

اس آیت کریمہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ایک تو اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ مومن بھی بگڑ سکتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں جو کہلاتے تو مومن ہیں لیکن اصل میں وہ خبیث فطرت ہوتے ہیں۔ایک حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا''

اس امت کے آخری زمانہ میں خسف ہوگا یعنی زمین میں آدمیوں اور مکانوں کا دھنس جانا، مسخ ہوجانا یعنی انسانوں کا انسانیت سے گر کر جانوروں کی نقالی کرنا اور قذف ہوگا یعنی آسمان سے پتھروں کا برسنا۔کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں۔آپؐ نے فرمایا ہاں جب خبیثوں کی کثرت ہو جائے''(ترمذی کتاب الفتن)

دوسری بات اس آیت کریمہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں میں خبیثوں کے ظاہر ہونے کے وقت ان کی اس حالت سے لاتعلق نہیں رہتا بلکہ اپنی سنّت کے مطابق ایسے ماموروں کو مبعوث کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ علم غیب کے ذریعے مومنوں اور خبیثوں میں فرق بتا دیتا ہے۔یہ فرق اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین اس مامور کو مان کر اس کی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں جبکہ خبیث اس کا انکار کر کے اپنا خبیث ہونا ظاہر کر دیتے ہیں۔یہ آیت کریمہ حدیث مجدد کی تائید کرتی ہے جس کو بعض لوگ ضعیف قرار دے کر اس سے انکار کر دیتے ہیں۔یہاں بھی وہی اصول بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی حالت سے لاپرواہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی حالت کی بہتری کیلئے اپنی سنت کے مطابق عمل کرتا رہتا ہے۔اپنی اس سنت کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ جو مومنوں سے ہی خطاب کر رہا ہے خود انہی مومنوں کو جو پہلے ہی صاحب ایمان ہیں ایک دفعہ پھر ایسے ماموروں پر ایمان لانے کو کہہ رہا ہے جو امت میں سے خبیث اور طیب کو الگ الگ کرنے کے مشن پر بھیجے جاتے ہیں۔

حدیث مجدد

دوسری ضرورت اسلام کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی جب اس کی لفظی و معنوی اور روحانی حفاظت کیلئے بھی مامورین کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا جس کی خبر قرآن مجید کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حدیث مجدد میں دی۔

اِنَّ اللّٰہ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الاُمَّۃِ عَلٰی رَاسِ کُلِّ مِائَۃِ مَن یُجدِد لَھَا دِینَھَا۔(الجامع الصّغیر ،صفحہ ۱۱۵۔بحوالہ ابوداؤد،المستدرک للحاکم والبیہقی ،عن ابی ہریرۃؓ۔)

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کیلئے ایسے لوگوں کو مبعوث کرتا رہیگا جو اس کیلئے اس کے دین کی تجدید کیا کرینگے

اس حدیث کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تجدید دین کیلئے خود اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کو مبعوث کرتا ہے نہ یہ کہ کوئی بھی زید بکر کھڑا ہو کر یہ کہنے لگتا ہے کہ مجھے اس امت کی بدحالی پر بہت ترس آ رہا ہے لہذا میں نے اس کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ کام خدا کا ہے اور اسی نے اسے اپنے ذمّے لے رکھا ہے۔ بہت سے لوگ اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں لیکن یہ حدیث قرآن کریم کی تعلیم کے عین مطابق ہے اور اس سے متضاد ہونے کی بجائے اس کے موقف کو واضح کر کے پیش کرتی ہے۔ چنانچہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ گذشتہ بارہ صدیوں کے مجدّدین اس حدیث کے مسلّمہ گواہ اور ثبوت ہیں۔

ہر سو سال کے بعد مجدد بھیجنے میں حکمت یہ ہے کہ ایک سو سال میں تین نسلیں پیدا ہو کر یا مر جاتی ہیں یا موت کے نزدیک پہنچ جاتی ہیں۔ ایک عام نفسیاتی اور سماجی مشاہدہ ہے کہ ہر اگلی نسل پچھلی نسل کو قدیم، فرسودہ اور بعض اوقات احمق سمجھتی ہے۔ شائستہ زبان میں کہا جاتا ہے کہ اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو۔ نوجوان اپنے والدین کے خیالات کو تو ہم پرستانہ اور جدید دور سے غیر مطابق قرار دے کر ترک کر دیتے ہیں جبکہ دادا جان کے زمانے کو تو گویا پتھر کا زمانہ سمجھا جاتا ہے جس کے اصول وضوابط تو آج کے دور میں گویا بالکل ہی ناقابل عمل ہیں۔ نئی نسل کا یہ رویہ نہ صرف دنیاوی معاملات میں ہوتا ہے بلکہ دینی معاملات میں بھی ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ قدیم داستانیں ہیں اور آج کے دور میں کوئی ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ نوجوان اپنے بزرگوں سے اکثر یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے اور آپ آج بھی صدیوں پرانی روایات کو دین سمجھ کر سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ ایک ایسا ناقابل تردید مشاہدہ ہے جو ہر اس جگہ پر بخوبی دیکھا جا سکتا ہے جہاں ذرا سی بھی ذہنی وفکری آزادی میسّر ہوتی ہے۔ گھٹے ہوئے تنگ اور جبری ماحول میں یہ خیالات سینوں میں پرورش پاتے رہتے ہیں اور مناسب موقع پاتے ہی اپنی جولانیاں دکھا دیتے ہیں۔

ایسی حالت میں یہ از بس لازمی تھا کہ ایسے وجود دنیا میں آتے رہیں جو اسلام کی آفاقی تعلیم کو پرانی داستانیں نہیں بلکہ دور حاضر کی حقیقتیں بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور ان کی صداقت منوا سکیں۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خدا کی طرف سے ایسے مامورین نہ آئیں جو زمانے کی رَو سے متاثر ہو کر اس کے پیچھے نہ چلیں بلکہ ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کریں اور اس کے ساتھ ساتھ فرقان کے معارف سے بکلّی آگاہ ہوں اور اس خزانے کو دنیا میں بانٹ بھی سکیں۔ حدیث کے اس ضمنی ذکر کے بعد ہم پھر قرآن مجید کی طرف اپنا رخ موڑتے ہیں۔

نبوت کے جاری ہونے کے دلائل دیتے وقت یہ بتایا گیا تھا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ طبعی اور جسمانی مثالیں بیان فرما کر ہمیں سمجھاتا ہے کہ جس طرح بارش ہونے کے بعد مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، فصلیں لہلہانے لگتی ہیں، درخت پھلدار ہو جاتے ہیں اور انسانوں کی جسمانی نشوونما کے سامان ہو جاتے ہیں اور لوگ ایک عرصہ تک ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جب ایک لمبے عرصے تک بارش نہیں ہوتی تو زمین سوکھنے لگتی ہے، کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں اور نہروں میں پانی ختم ہو جاتا ہے۔ لوگ آسمان کی طرف نظریں جمائے بارش کے منتظر ہوتے ہیں، خدا کے حضور دعائیں اور فریادیں کرتے ہیں تو پھر خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ ایک بار پھر پانی برساتا ہے اور مردہ زمین ایک دفعہ پھر زندہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روحانی بارش کے بعد روحیں تروتازہ ہو جاتی ہیں، ایمان بڑھ جاتے ہیں اور روحانیت ترقی کر جاتی ہے۔ ایک عرصہ تک لوگ اس روحانی بارش کے نتیجے میں پیدا ہونے والے پھلوں سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ لیکن پھر کلام الٰہی کے نزول کے ایک لمبے عرصے کے بعد دل سخت ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اصل تعلیم کی جگہ نفسانی خواہشات کی پیروی

شروع ہو جاتی ہے۔سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

’’اور بعض نادانوں کا یہ خیال کہ گویا میں نے افتراء کے طور پر الہام کا دعویٰ کیا ہے غلط ہے بلکہ درحقیقت یہ کام اس قادر خدا کا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اس جہان کو بنایا ہے۔جس زمانہ میں لوگوں کا ایمان خدا پر کم ہو جاتا ہے اس وقت میرے جیسا ایک انسان پیدا کیا جاتا ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنے عجائب کام دکھلاتا ہے۔یہاں تک کہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ خدا ہے۔میں عام اطلاع دیتا ہوں کہ کوئی انسان خواہ ایشیائی ہو خواہ یوروپین اگر میری صحبت میں رہے تو وہ ضرور کچھ عرصہ بعد میری ان باتوں کی سچائی کو معلوم کر لے گا‘‘ (اشتہار واجب الاظہار، مندرجہ کتاب البریہ صفحہ۔18، روحانی خزائن جلد۔13)

ظلمت سے نور کی طرف لانا

منکرینِ حدیث مندرجہ بالا حدیثِ مجدّد کا بھی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مبعوث نہیں ہوگا۔ان کے اس دعویٰ کی تردید قرآنِ کریم سے بھی ہوتی ہے جس میں اسی مضمون کو دوسرے رنگ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی انسانیت گمراہی کا شکار ہو کر اندھیروں میں گھر جاتی ہے تو رؤف و رحیم خدا اپنے ایک منتخب بندہ پر آیات نازل کرتا ہے تا کہ وہ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔

هُوَ الَّذِی یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَ اِنَّ اللّٰہَ بِکُمْ لَرَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ o

وہی ہے جو اپنے بندہ پر روشن آیات اتارتا ہے تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر لے جائے اور یقیناً اللہ تم پر بہت مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔(الحدید57:10)

سورہ حدید کی اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ یہ کام اسلئے کرتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کیلئے بہت زیادہ رؤف یعنی بیحد محبت کرنیوالا اور رحیم یعنی بار بار رحم کرنیوالا ہے۔ وہ ایک دفعہ ہدایت نازل کرنے کے بعد انسانوں کو بھول نہیں جاتا بلکہ جب جب انسانیت اپنی ہی غلطیوں کے باعث پستی کا شکار ہوتی ہے تب تب وہ رؤف ورحیم خدا ایک بندہ منتخب کر کے اس کے ذمّے انسانوں کی ہدایت کا کام لگاتا ہے۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط (البقرہ۔2:258)

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

سورہ بقرہ کی اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ چونکہ مومنوں کا ولی اور ساتھی ہے اس لئے وہ انہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانے کا کام کرتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مومن بھی اندھیرے کا شکار ہو سکتے ہیں اور ان کو بھی روشنی میں لانے کیلئے ایک مامور زمانہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

قرآن کا چھوڑ دیا جانا

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَاالْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ☆ (الفرقان۔25:31)
اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے۔

قرآن آنحضرت ﷺ پر نازل کیا گیا اور آپؐ کی حیات مبارکہ میں ایسا کوئی دور نہیں آیا جب آپؐ کی امت نے قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہو لیکن احادیث میں اس بات کی تصریحات ملتی ہیں کہ مسلمانوں پر ایک ایسا وقت آئیگا جب اس قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا جائیگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے

فرمایا،

لاَ یَبْقٰی مِنَ ا لْاِ سْلَامِ اِلاَّ اِسْمُہٗ وَلاَ یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلاَّ رَسْمُہٗ۔ (مشکوۃ کتاب العلم)
یعنی اسلام کا صرف نام باقی رہ جائیگا اور قرآن صرف رسمی طور پر باقی رہیگا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، بزرگان امت، علماء ربانی، دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں کی تحریروں میں بکثرت اس امر کی شہادتیں پائی جاتی ہیں کہ یہی وہ دور ہے جس میں اسلام صرف نام کا باقی ہے اور قرآن صرف عربی الفاظ میں پڑھنے، جھوٹی قسمیں کھانے اور تفرقہ بازی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

جسطرح آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ نے آنحضرت ﷺ کا انکار کرنے کی خاطر، باوجود اس کے کہ آپؐ تورات اور انجیل کی تصدیق فرماتے تھے، اپنی کتاب کی تعلیم کو نظر انداز کر دیا اور دوسرے ہتھکنڈوں سے آپؐ کا مقابلہ کرنا چاہا، اسی طرح آج کے زمانہ کے مثیل یہود و نصاریٰ مسلمان علماء نے قرآن کریم کی تعلیمات کو بالکل فراموش کر کے، باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن و حدیث کی تصدیق فرماتے تھے، آپؑ کی مخالفت میں یہود و نصاریٰ کی پیروی کرتے ہوئے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ایسے بن گئے جیسے اس کتاب کے مندرجات کو جانتے ہی نہیں۔ چونکہ یہ مُلّا اچھی طرح جانتے ہیں کہ کتاب وسنّت کے تمام حوالہ جات جماعت احمدیہ کی تائید کرتے ہیں اس لئے انہوں نے عوام کو سختی سے منع کر رکھا ہے کہ احمدیوں کے ساتھ گفتگو میں قرآن و حدیث کو بنیاد ہرگز نہیں بنانا اور یہ کہنا ہے کہ تم تو غیر مسلم ہو تمہارا قرآن و حدیث سے کیا تعلق ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ اسطرح بیان فرماتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَ ھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ۙ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ کَاَنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ☆ (البقرہ2:102)
اور جب بھی ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اس کی تصدیق کرنے والا تھا جو ان کے پاس تھا تو ان میں سے ایک گروہ نے جنہیں کتاب دی گئی تھی اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ علم ہی نہ رکھتے ہوں۔

امام مہدی کے ذریعہ غلبہ اسلام

ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْداً ☆ (الفتح.48:29)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے دین (کے ہر شعبہ) پر کلیۃً غالب کر دے۔ اور گواہ کے طور پر اللہ بہت کافی ہے۔

بانی سلسلہ احمدیہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ مہدویت پر اس دور میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ احادیث میں تو امام مہدی علیہ السلام کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کی عالمگیر اور کامل فتح کی خوشخبری دی گئی ہے جبکہ مرزا صاحب آ کر چلے بھی گئے لیکن اسلام کے عالمی غلبہ کا خواب ابھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا۔ یہ اعتراض بھی دیگر اعتراضات کی طرح اسلامی تعلیم سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ اصول دین میں یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ پیشگوئیوں میں جس شخص کا نام لیا جاتا ہے وہ مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کی صفات کا حامل یا اس کا کوئی نمائندہ ہوتا ہے جو اسی مذکورہ شخص کے پیغام کو ہی آگے بڑھا رہا ہوتا ہے۔ کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے والی بائبل کی جس پیشگوئی کو آنحضرت ﷺ پر چسپاں کیا جاتا ہے اس میں کسی انسان کے نہیں بلکہ خدا کے ظہور کی خبر دی گئی ہے لیکن تمام مسلمان علماء خدا کے ظہور سے مراد نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہی مراد لیتے ہیں۔

قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ رسولوں کا کام صرف پیغام کو کھول کھول کر پہنچانا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ بیان کرتی ہے

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ط (المائدة۔5:100)

رسول پر اچھی طرح پیغام پہنچانے کے سوا اور کوئی ذمّہ داری نہیں۔

لیکن اس کا غلبہ ہمیشہ ان کے پیروکاروں کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ارض مقدس کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن وہ اس کی سرحد پر پہنچ کر فوت ہو گئے اور ان کے بعد ان کی قوم اس میں داخل ہوئی۔ قیصر و کسریٰ کے جن محلات وخزائن کے ملنے کی بشارت نبی اکرم ﷺ کو دی گئی تھی وہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو عطا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے جوامع الکلام کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اور میں سویا ہوا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔“ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تو جا چکے اور اب تم انہیں نکال رہے ہو۔ (بخاری کتاب الجہاد)۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کا پیغام لوگوں تک کھول کھول کر پہنچا دیا اور آپ ؐ کے صحابہؓ نے اس بات کی گواہی بھی دی، لیکن جہاں تک غلبہ اسلام کا تعلق ہے وہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جزوی طور پر آپ ؐ کے صحابہؓ اور کامل طور پر آخری زمانہ میں امام مہدی کے ذریعے ہونا مقدّر تھا جس طرح آنحضرت ﷺ سے وعدہ کئے گئے خزانے آپ ؐ کے صحابہؓ کو ملے اسی طرح آخری عالمگیر غلبہ جو امام مہدی و مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ کیا گیا ہے وہ انشاء اللہ العزیز بتوفیق ربّانی آپؑ کی جماعت کے ہاتھوں عمل میں آئے گا۔

حفاظت اسلام

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر-15:10)

یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اسی نے اس ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور وہی اس کی حفاظت کریگا۔ سیدھی سی بات ہے کہ قرآن مجید

آسمان سے براہ راست لوگوں پر نہیں اترا بلکہ رسول پاک ﷺ کے قلب مطہر پر نازل ہوکر ہم تک پہنچا۔ چنانچہ اس کی حفاظت بھی رسول پاک ﷺ کے غلاموں کے ذریعے ہی ہوگی جو ہر دور میں نمودار ہوکر اس کے معارف بیان کریں گے اور اس پر عمل پیرا ہوکر اس کا قابل عمل ہونا ثابت کر کے ہمارے لئے اسوہ بنتے رہیں گے۔ ہزاروں لاکھوں حفّاظ کے ذریعے قرآن کریم کی لفظی حفاظت کے ساتھ ساتھ ہر صدی میں ایسے مجددین پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس کی روحانی حفاظت بھی کی اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس دور تک پیدا ہونے والی بدعات اور شرکیہ عقائد و رسوم کے خلاف جہاد کیا۔ عبّاسی دور کے فتنہ خلق قرآن سے لے کر دور اکبری کے الحاد تک ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے برگزیدہ وجود پیدا ہوتے رہے جنہوں نے قرآن، سنّت اور حدیث کی بے لوث خدمت کی اور لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر عوام النّاس اور ریاستی ظلم و جبر سے بے خوف ہوکر بادشاہوں اور امراء کو حق کا راستہ دکھاتے رہے۔

اسلامی تاریخ کے ان سنہری اوراق سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پچھلے ادوار میں اسلام کو تنہا نہیں چھوڑا اور ہر دم اس کی لفظی و معنوی حفاظت فرمائی اسی طرح اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اسے تنہا نہیں چھوڑے گا اور اپنی جناب سے ایسے وجود پیدا کرتا رہے گا جو اسلام کو لوگوں کی خودساختہ اور دین کا درجہ دی جانے والی رسوم و بدعات سے پاک کر کے حقیقی تعلیم کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ چنانچہ اسی خدائی وعدے کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس دور میں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اسلام کے حسین چہرے پر اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں سے لگائی ہوئی گرد کو صاف کر کے اسے اس کی اصل شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور لوگوں کو اس ذکر یعنی قرآن کریم کی طرف بلایا جسے عوام کے ساتھ ساتھ علماء بھی فراموش کر چکے تھے۔

سوال

مسیح موعودؑ
کی آمد کی خبر

نبوت کے جاری ہونے اور ضرورت زمانہ ثابت ہونے کے بعد اب اگلا مرحلہ آتا ہے اس بات کی تصدیق کا اور بالفاظ دیگر **سوال نمبر۔۳** کے جواب کا کہ کیا قرآن مجید میں امام زمانہ کے نزول کی خبر دی گئی ہے یا نہیں۔ اس امر کے ثبوت میں مندرجہ ذیل قرآنی آیات پیش ہیں۔

مومنین پر احسان

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ

الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ☆ (آل عمران۔3:165)

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

سورہ آل عمران کی اس مندرجہ بالا آیت کریمہ میں ایک ایسے رسول کی بعثت کی خبر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بطور احسان مبعوث فرمایا۔ یعنی جن کے درمیان اس رسول کو بطور احسان مبعوث فرمایا گیا وہ پہلے ہی مومنین تھے اگرچہ کھلی کھلی گمراہی میں بھی تھے۔ اس سے ملتی جلتی آیت کریمہ سورہ جمعہ میں بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ☆ (الجمعة۔ 62:3)

وہی ہے جس نے امّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

ان دونوں آیات میں فرق یہ ہے کہ سورہ جمعہ کی آیت میں جس رسول کی بعثت کی خبر ہے وہ امّیوں میں مبعوث کیا گیا جبکہ سورہ آل عمران کی آیت میں ایک ایسے رسول کا ذکر ہے جو مومنوں میں مبعوث کیا گیا ہے۔ دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ سورہ جمعہ کی آیت میں جس رسول کا ذکر ہے اس کا تعلق اُمّیّٖن کے ساتھ "مِنْهُمْ"، یعنی انہی میں سے کہہ کر ظاہر کیا گیا ہے جبکہ سورہ آل عمران کی آیت میں مذکور رسول کا تعلق مومنین کے ساتھ "مِنْ اَنْفُسِهِمْ" یعنی انکی جانوں میں سے کہہ کر ظاہر کیا گیا ہے۔ مِنْهُمْ اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ کا یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ مِنْهُمْ والا رسول امیین کی قوم سے تو تعلق رکھتا ہے لیکن ان کے دین و مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں جبکہ مِنْ اَنْفُسِهِمْ والا رسول نہ صرف مومنین کی قوم سے بلکہ ان کے دین و مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہے۔

ان تشریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورہ جمعہ کی آیت میں نبی اکرم ﷺ کی جبکہ سورہ آل عمران کی آیت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا ذکر ہے۔ آنحضرت ﷺ مکہ والوں سے قومی تعلق رکھتے تھے اور ان کے شرک و بت پرستی سے ہمیشہ دور رہے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف ہندوستانی قوم سے تعلق رکھتے تھے بلکہ مبعوث ہونے تک انہی کے دین پر قائم تھے۔ یہاں تک کہ براہین احمدیہ میں آپؑ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے رسمی عقیدہ کو اپنا عقیدہ ظاہر کیا۔

آنحضرت ﷺ کی صداقت کا گواہ

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ (هود-11:18)

پس کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے اور اس کے پیچھے اس کا ایک گواہ آنے والا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی

کتاب بطور امام اور رحمت موجود ہے (وہ جھوٹا ہوسکتا ہے؟)

سورہ ھود کی یہ آیت ایک ایسے گواہ کے آنے کی خبر دے رہی ہے جو آنحضرت ﷺ کے غلاموں میں سے ہوگا اور ایک ایسے دور میں آپکی صداقت کی گواہی دیگا جب آپؐ کی صداقت دنیا پر مشتبہ ہوچکی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب اور آپؐ کے بعد ایک گواہ کے آنے کی خبر کو آنحضرت ﷺ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ نبی جھوٹا کیسے ہوسکتا ہے جس سے پہلے موسیٰ کی کتاب اس کی نشانیاں بیان کر چکی ہو اور اس کے بعد اس کی صداقت کا ایک گواہ آنے والا ہو۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسے پرفتن دور میں مبعوث ہوئے جب سادات تک اسلام کو ترک کر کے یا تو دہریہ بن گئے یا عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ گواہی تبھی مانی جاتی ہے جب گواہ کا اپنا کردار پاکیزہ ہو اور اس کی زندگی صدق وصفا سے پر ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس امر کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ اس کی آنکھوں دیکھی بات ہو۔ آج چاہے اربوں لوگ آنحضرت ﷺ کی صداقت کی گواہی دیتے رہیں لیکن ان کی گواہی کی بنیاد ان کی رویئت نہیں بلکہ ان کا ایمان ہے جس میں یہودی، عیسائی اور دوسرے مذاہب والے اپنے اپنے پیغمبروں پر ان کے برابر ایمان رکھنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔

لیکن سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی ایک پیدائشی ایمان والی گواہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جانے والی بصیرت، وحی، الہام اور کشوف پر مبنی تھی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورہ یوسف کی آیت ۔۱۰۹ میں یہ کہنے کا ارشاد فرماتا ہے (عَلٰی بَصِیرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِی) کہ میں بصیرت پر ہوں اور وہ بھی جس نے میری پیروی کی۔ اسی بصیرت کی بناء پر آپؑ نے تمام مذاہب کے سرکردوں کو چیلنج پیش کیا کہ اگر تمہارے پاس اپنے اپنے مذاہب کے پیغمبروں کے متعلق اس نوعیت کی فعلی اور حالی شہادت موجود ہے تو لاؤ اور اپنے اپنے عقیدے کی صداقت ثابت کرو لیکن کسی کو اس مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔

اسمہ احمد

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ (الصف61:7)

اور (یاد کرو) جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! یقیناً میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اس کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں جو تورات میں سے میرے سامنے ہے اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتے ہوئے جو میرے بعد آئیگا جس کا نام احمد ہوگا۔ پس جب وہ کھلے نشانوں کے ساتھ ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا یہ تو ایک کھلا کھلا جادو ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ایک ایسے رسول کی آمد کی خبر دی گئی ہے جس کا نام احمد ہوگا۔ اس رسول سے مراد آنحضرت ﷺ لئے جاتے ہیں جو غلط بھی نہیں ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام احمد نہیں بلکہ محمدؐ تھا۔ احمد نبی اکرم ﷺ کی صفت تھی اور اس صفت کا کامل ظہور مسیح موعود علیہ السلام میں ہونا لازم تھا۔ لہذا اس آیت کریمہ میں بلا واسطہ نبی اکرم ﷺ مراد ہیں جبکہ ان کے واسطے سے ان کا کامل عکس اور بروز ہونے کی حیثیت سے بالواسطہ طور پر سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ اگر نبی اکرم ﷺ احمد نہ ہوں تو حضرت مسیح موعود احمد کیسے ہو سکتے ہیں۔ عکس وہی کچھ دکھائیگا جو اصل میں ہوگا۔ اگر اصل میں کسی خوبی کا فقدان ہوگا تو عکس بھی اس خوبی سے محروم ہوگا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی شان احمدیت ہی ہے جو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیشگوئی کی کہ آنے والے کا نام احمد ہوگا تو محمد ﷺ تشریف لے آئے اور جب نبی اکرم ﷺ نے پیشگوئی فرمائی کہ اب جو آئے گا اس کا نام میرا نام ہوگا یعنی محمد ﷺ تو احمد یعنی مسیح موعود علیہ السلام تشریف لے آئے۔

احمد سے مراد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس سے اگلی آیت میں یہ کہا گیا کہ اسے اسلام کی طرف بلایا جائیگا۔ آنحضرت ﷺ تو خود لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے۔ لیکن آج کے دور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کی جماعت کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود غیر مسلم ہو لہذا ہماری بتائی ہوئی تشریح کے مطابق اسلام قبول کرلو۔

آخرین میں بعثت

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ق وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ

قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ☆ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ☆ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ☆ (الجمعة-3-5:62)

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں سے دوسروں کی طرف بھی (اسے مبعوث کیا ہے) جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحب حکمت ہے۔

یہ آیات سورہ جمعہ کی ہیں جن سے معاً پہلے سورہ صف میں احمد نام کے ایک رسول کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ سورۃ جمعہ میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر ہے کہ جس احمد کے آنے کی حضرت عیسیٰؑ نے خوشخبری دی تھی اس کا ایک ظہور ان پڑھ مکہ والوں میں ہوا اور پھر اس کے بعد اس کا ایک اور ظہور آخری زمانہ میں ہوگا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اسی طریق پر ہوگی جس طریق پر پہلے دور میں ہوئی تھی۔ اس آیت کی یہ تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے فرمائی۔ بخاری کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ دوسرے لوگ کون ہیں۔ آنحضورؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہی سوال تین مرتبہ کیا گیا۔ مجلس میں سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ آنحضورؐ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ یا (آنحضورؐ نے فرمایا) کہ ایک شخص اسے پالے گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دور آخرین میں آنحضرت ﷺ کا ایک بروز کامل پیدا ہوگا جو فارسی قوم میں سے ہوگا اور ایمان کو انسانی دسترس سے مبالغے کی حد تک باہر ہونے کے باوجود اسے حاصل کرلیگا اور اسے ایکبار پھر زمین پر قائم کردیگا۔ چنانچہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی جو قوم فارس سے تعلق رکھتے تھے۔

قلم سے جہاد

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُونَ ☆ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ☆ (القلم -2-3:68)

ن۔قسم ہے قلم کی اوراس کی جو وہ لکھتے ہیں۔تُو اپنے رب کی نعمت کے طفیل مجنون نہیں ہے

سورۃ قلم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قلم اوراس سے لکھی جانے والی تحریر کی قسم کھائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رب کے فضل سے ایک صحیح الدماغ شخص ہیں اور آپؐ کو کوئی ذہنی عارضہ لاحق نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں آنحضرت ﷺ کے متعلق ایسی تحریریں شائع ہوں گی جن میں آپؐ کو نعوذ باللہ مجنون اور ذہنی مریض بتایا جائے گا لیکن پھر قلم کے ذریعے ہی ان الزامات کی تردید کی جائیگی اور یہ ثابت کیا جائیگا کہ آپؐ نعوذ باللہ من ذٰلک مجنون نہیں بلکہ انسان کامل تھے۔یہ خبر بھی سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے پوری ہوئی جب آپؑ نے اپنی تحریروں کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی ارفع شان اور عظمت کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور بدرجہ کمال ثابت کیا۔ اللھم صلّ علیٰ محمد و آل محمد۔

مجددین، شاھد و مشھود

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ☆ وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ☆ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ☆ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ☆ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ☆ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ☆ وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ☆ وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ☆(البروج-5-85:2)

قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی،اور موعود دن کی،اور ایک گواہی دینے والے کی اور اس کی جس کی گواہی دی جائیگی۔ہلاک کردیئے جائینگے کھائیوں والے۔یعنی اس آگ والے جو بہت ایندھن والی ہے۔جب وہ اس کے گرد بیٹھے ہونگے۔اور وہ اس پر گواہ ہونگے جو وہ مومنوں سے کریں گے۔اور وہ ان سے پرخاش نہیں رکھتے مگر اس بناء پر کہ وہ اللہ،کامل غلبہ رکھنے والے،صاحب حمد پر ایمان لے آئے۔

ان آیات میں بُرجوں سے مراد امت محمدیہ کے بارہ صدیوں کے وہ مجددین کرام ہیں جو ہر صدی کے سر پر ظاہر ہوئے۔پھر یوم موعود کا ذکر ہے جس میں امام مہدی ظاہر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی صداقت کی گواہی دی جیسا کہ سورہ ھود میں بھی ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک شاہد ظاہر ہوگا۔آیات ۵ تا ۹ میں ان لوگوں کی ہلاکت کی پیشگوئی ہے جنھوں نے کھائیوں میں آگ جلائی اور مومنین کو اس میں پھینک کر تماشا دیکھتے رہے۔اس میں یہ پیشگوئی بھی مضمر ہے کہ موعود زمانہ میں بھی ایسا ہوگا۔چنانچہ مظلوم احمدیوں کے گھروں اور کاروباروں کو آگ لگائی جاتی ہے،انہیں ظُلم وتشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور لوگ کھڑے ہوکر تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے،یہ ظُلم وستم محض اس بات پر ہوتا ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے افراد مُلّا کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ماننے اور اس کی من مانی تشریحات کے آگے سر جھکانے کی بجائے صاحبِ عزّت وحمد خدا پر ایمان رکھنے کا اعلان کرتے ہیں۔

کیا امام مھدی کا ذکر قرآن مجید میں ھے؟

بہت سے لوگ یہ اعتراض اٹھانے لگے ہیں کہ امام مہدی کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اس لئے ہمیں کسی امام مہدی کے آنے کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ امام مہدی کو انبیاء سے الگ ایک شخصیت سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم پر تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کو ہی اللہ تعالیٰ امام اور امام مہدی کے نام سے پکارتا ہے۔ اور انہیں منصب نبوت کے ساتھ ساتھ منصب امامت بھی عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آیت میں امام بنانے کا اعلان کیا

وَ اِذِبْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ☆ (البقرہ-2:125)

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے بعض کلمات سے آزمایا اور اس نے ان سب کو پورا کر دیا تو اس نے کہا میں یقیناً تجھے لوگوں کیلئے ایک عظیم امام بنانے والا ہوں۔ اس نے عرض کیا اور میری ذریّت سے بھی۔ اس نے کہا (ہاں مگر) ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ حضرت لوط، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیائے بنی اسرائیل کو امام مہدی کہہ کر پکارتا ہے

وَ جَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّةً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ---(الانبیاء-21:74)

اور ہم نے انہیں ایسے امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے۔

وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّةً یَھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا---(السجدة-32:25)

اور ہم نے ان میں ایسے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے

قرآن کریم کی ان واضح تصریحات کے علاوہ ابن ماجہ کی حدیث **"لَاالْمَھْدِیْ اِلَّا عِیْسٰی"** اور مسند امام احمد بن حنبل کی حدیث **"یُوْشَکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقیٰ عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَّھْدِیاً حَکَمًا عَدَلًا "** کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ امام مہدی اور مسیح موعود، جو کہ ایک نبی ہے، ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

چوتھا

سوال

قرآنی معیارِ

صداقت

امکان نبوت، ضرورت زمانہ اور پھر ایک مامور زمانہ کے آنے کی خبر قرآن مجید سے ثابت کرنے کے بعد اب ہم چوتھے سوال کا جواب قرآن پاک

سے تلاش کرتے ہیں کہ اگر ہر کس و ناکس کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کردے کہ میں ہی وہ موعود امام اور مصلح ہوں تو وہ کونسا قرآنی معیار ہے جس کی بناء پر ہم جھوٹے اور سچے کا فرق جان سکیں۔ الحمدللہ کہ قرآن پاک اس معاملے میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے اور مندرجہ ذیل معیارات ہمارے سامنے رکھتا ہے جن پر ہم کسی بھی مدعی کی صداقت پرکھ سکتے ہیں۔

کیادعویٰ نبوّت کی صداقت طلب کرنا کفر ھے؟

مُلّا نے اس خوف سے کہ کہیں لوگ قرآن پاک کی طرف رجوع کرکے سچے امام مہدی کو مان ہی نہ لیں اور ہماری دکانداری چوپٹ نہ ہو جائے، لوگوں کو یہ باور کرادیا ہے کہ اب کسی مدعی سے اس کی صداقت کے بارے میں پوچھنا اور اس کے متعلق تحقیق کرنا بھی کفر ہے چہ جائیکہ اس پر ایمان لایا جائے۔ قرآن کریم اس بات کی تردید اسطرح فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ج اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا قف مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ o (سبا-34:47)

تو کہہ دے کہ میں محض تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو اور ایک ایک کرکے اللہ کی خاطر کھڑے ہو جاؤ پھر خوب غور کرو کہ تمہارے ساتھی کو کوئی جنون نہیں۔ وہ تو محض ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں ڈرانے والا (بن کر آیا) ہے۔

ہم بھی اپنے مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں قرآن کریم کی اس واضح نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ پر غور فرمائیں اور قرآنی معیاروں پر پرکھ کر ان کی جماعت میں شامل ہونے کی سعادت پائیں۔

قرآنی معیاراتِ صداقت

قرآن کریم نے ایک سچّے مدعی نبوت کی صداقت کے مندرجہ ذیل معیارات بیان فرمائے ہیں:

(1) اس کی دعویٰ سے پہلی زندگی پاک ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیتے ہیں (یونس۔10:17)

(2) دعویٰ سے پہلے وہ قوم کی امیدوں کا مرکز ہوتا ہے اور قوم نے اس سے بڑی توقعات وابستہ کی ہوتی ہیں۔(ھود-11:63)

(3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے غیب کی خبریں ملتی رہتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہوتی ہیں۔(جن-28-72:27)

(4) اگر وہ جھوٹا دعویٰ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ (الحاقہ 49-69:45، الشوریٰ 42:25، ھود 11:36، المومن۔40:29)

(5) اس کی تعلیم خود پرستی اور شرک والی نہیں بلکہ ربّانی بنانے والی ہوتی ہے۔(آل عمران 81-3:80)

(6) اس کے ساتھ غلبہ کا وعدہ ہوتا ہے اور وہ دشمنوں کے مقابل پر ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔(مجادلہ-58:22، و الصّٰفّٰت -174-37:172، المؤمن 40:52، الاحقاف -46:33)

(7) اس کے منکرین سابقہ انبیاء علیہم السلام کے منکرین جیسی ہی باتیں اور اعتراضات کرتے ہیں۔(البقرہ-2:119، حٰم سجدہ 41:44) مثلاً

(i) اسے شاعر کہہ کر ماننے سے انکار کر دیتے ہیں (الصّٰفّٰت -37:37)

(ii) اپنے علماء کو اس پر ترجیح دیتے ہیں (الزخرف-43:32,58,59)

(iii) اس سے پہلے رسولوں کی طرح کے نشانات طلب کرتے ہیں (الانعام 6:125)

(iv) ہر نئے ذکر سے اعراض کرتے ہیں (الانبیاء -21:3، الشعراء -26:6)

(v) اپنے درمیان ایک نبی ظاہر ہونے پر تعجب کرتے ہیں، (یونس 10:3، الاعراف -7:64)

(vi) الٰہی نور کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں (الصّف -61:9)

(vii) اسے کہتے ہیں کہ یا ملک چھوڑ دو یا عقیدہ چھوڑ دو (ابراہیم -14:14)

(viii) اسے غیر قوم کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔(الفرقان-25:5,6)

(ix) کتاب اللہ کو حکم بنانے سے انکار کر دیتے ہیں۔(البقرہ 2:101، آل عمران-3:24)

اگلے صفحات میں ہم پانچویں اور آخری سوال کے جواب میں ان مندرجہ بالا معیارات کو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت و حیات مبارکہ پر چسپاں کر کے دیکھتے ہیں کہ وہ ان قرآنی معیارات کے مطابق سچے نبی ثابت ہوتے ہیں یا نہیں۔

پانچواں

سوال

قرآنی معیارِ صداقت

اور

حضرت مسیحؑ موعود

دعویٰ سے پہلی زندگی

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰ كُمْ بِهٖ ۡ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٥

تو کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمہیں اس پر مطلع کرتا۔ پس میں اس (رسالت) سے پہلے بھی تمہارے درمیان ایک لمبی عمر گزار چکا ہوں تو کیا تم عقل نہیں کرتے؟ (یونس-10:17)

ان آیات میں مدعی نبوت کی صداقت کے دو معیار بیان کئے گئے ہیں۔ایک میں انسانوں کی عقل کو چیلنج کیا گیا ہے اور دوسرے میں سنت اللہ اور تاریخ کو بطور شہادت پیش کیا گیا ہے۔عقلی دلیل کے طور پر مدعی نبوت کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی اس کی سچائی کے طور پر پیش کی گئی ہے کہ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کہ یہ شخص جو تمہارے اندر تمام سچوں سے بڑھ کر سچا مشہور ہے اور جس نے آج تک کبھی کسی انسان پر بھی جھوٹ نہیں بولا کیسے ہوسکتا ہے کہ آج یکدم خدا پر جھوٹ بولنا شروع کردے۔ جب آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر مکہ والوں کو پکارا تو اپنا دعویٰ پیش کرنے سے پہلے ان سے یہ پوچھا کہ میں اگر یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کیلئے تیار کھڑا ہے تو کیا تم مان لوگے۔انہوں نے کہا کہ اگرچہ یہ بات ناقابل یقین ہے لیکن اگر تم یہ عجیب بات کہوگے تو ہم اسے مان لیں گے کیوں کہ ہم نے آج تک تمہاری زبان سے کبھی کوئی غلط بات نہیں سنی۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی زندگی بھی سچی نبوت کے اس معیار پر پوری اترتی ہے۔علاّمہ سیّد میر حسن، مولوی سراج علی خان اور دیگر بہت سے لوگوں کے ساتھ ساتھ آپؑ کے مخالفین کی بھی شہادت ہے کہ آپؑ نوجوانی میں نہایت صالح اور متقی تھے، اسلام کی خدمت میں آپؑ کا ثانی موجودہ دور میں تو کیا پچھلے چودہ سو برسوں میں کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ایک اشد مخالف مولوی ثناءاللہ امرتسری نے اپنی کتاب تاریخ مرزا میں لکھا:

> ”جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک اور براہین سے بعد۔ براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی 17,18 سال کی تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا“ (احتساب قادیانیت۔جلد ہشتم صفحہ۔535)

آج تک جماعت احمدیہ کے اشد ترین مخالفین اور تحریک ختم نبوت کے گھٹیا سے گھٹیا مولوی کو بھی حضورؑ کے ماضی پر ایک چھینٹا بھی پھینکنے کی جرأت نہیں ہوئی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

> ”تم کوئی عیب افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے؟ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کیلئے یہ ایک دلیل ہے۔“ (تذکرۃ الشہادتین۔صفحہ۔۶۴، روحانی خزائن جلد۔۲۰)

امید وں کا مرکز

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا ... (ھود۔11:63)
انہوں نے کہااے صالح !یقیناً تو اس سے پہلے ہمارے اندر امیدوں کا مرجع تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ سچے انبیاء اپنے اعلیٰ کردار کے باعث قوم میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں اور قوم نے ان کے ساتھ امیدیں وابستہ کی ہوتی ہیں جیسا کہ اس آیت میں حضرت صالحؑ کی قوم نے ان سے کہا کہ تو تو اس دعویٰ نبوت سے پہلے ہماری امیدوں کا مرکز تھا، یہ تو نے کیا کیا کہ ایسا دعویٰ کر کے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ ان کی ناامیدی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس ذہین، لائق اور قابل فرزند قوم کو اپنے مذموم مقاصد کی ترقی کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں جبکہ خدا کا نبی status quo کو توڑ کر اور مروجہ مشرکانہ اور استحصالی نظام کو ختم کر کے عدل وانصاف اور توحید پرستی پر مبنی ایک نیا معاشرہ قائم کرنے کا علمبردار ہوتا ہے جو اس مروجہ نظام کے ٹھیکیداروں کو ہرگز گوارا نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ اس انقلاب کے داعی سے مایوس ہو کر اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اسلام پر حملہ آور آریوں اور مسیحیوں کا دندان شکن جواب دینے اور اسلام کی بےمثال فضیلت پیش کرنے پر آپؑ قوم کی آنکھ کا تارا بن گئے اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب ہماری ڈوبتی کشتی کو پار لگانے والا یہی ایک ناخدا ہے۔ لیکن جب طوفان سے کشتی نکالنے کے لوگوں کے مروجہ طریقوں کی بجائے حضورؑ نے الٰہی راستہ اختیار کیا اور قوم پر یہ واضح کیا کہ جو طریق تم اپناتے رہے ہو وہ تو پہلے ہی ناکام ہو چکے ہیں اور اب تمہاری حالت پر رحم کر کے خدا نے تمہارے لئے ایک آسمانی طریق نازل کیا ہے جس پر چل کر تم کامیاب ہو سکتے ہو تو ان لوگوں کے ماتھوں پر تیوریاں پڑ گئیں اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے اسے اتنا سر پر نہ چڑھایا ہوتا تو آج اسے یہ دعویٰ کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی، جس نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف براہین احمدیہ پر ایک شاندار ریویو لکھا تھا، سرعام کہا کرتا تھا کہ اسے یعنی سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، میں نے ہی چڑھایا ہے اور اب اسے میں ہی گراؤں گا۔ لیکن آج وہ خود ہی پستیوں اور گمنامیوں کی گہرائیوں میں جا ڈوبا ہے اور اس کا ذکر ابوجہل کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہونے کے علاوہ کہیں باقی نہیں ہے۔ حضورؑ نے قوم کی ناراضگی اور لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر قلب سلیم کے ساتھ خدا کی آواز پر لبیک کہا اور تن من دھن سے ترقی اسلام کے مشن میں مصروف ہو گئے۔

اظہار غیب

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا ☆ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّہٗ یَسْلُکُ مِنْ ۢ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ مِنْ خَلْفِہٖ رَصَدًا ☆

وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ کسی کو اپنے غیب پر غلبہ عطا نہیں کرتا۔ بجز اپنے برگزیدہ رسول کے۔ پس یقیناً وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے حفاظت کرتے ہوئے چلتا ہے۔ (جن-72:27,28)

سچے انبیاء کی اہم ترین نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم پا کر وہ انسانوں کو ایسی خبریں دیتے ہیں جن کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے اور پھر اپنے وقت پر وہ خبریں بڑی شان سے پوری ہوتی ہیں۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیشمار اخبار غیبیہ سے آگاہ فرمایا جو آپؑ نے اپنے دعویٰ کی صداقت کے طور پر بلا جھجھک لوگوں کے سامنے پیش فرمائیں کیونکہ آپؑ کو ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر ایسا ہی یقین تھا جیسا دن کی روشنی میں کسی کو سورج دیکھ کر اس کا یقین ہوتا ہے۔ منکرین اور مخالفین نے حسب عادت آپکی پیشگوئیوں کا مذاق اڑایا اور بلند بانگ دعوے کئے کہ یہ خبریں کبھی پوری ہونے والی نہیں، لیکن سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تحدی اور یقین کامل سے فرمایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ خدا کی دی ہوئی خبریں غلط ثابت ہوجائیں۔ چنانچہ ہر بار ایسا ہی وقوع پذیر ہوا کہ آپؑ کی فتح ہوئی اور دشمن خائب و خاسر ہوا۔ قادیان کے رہنے والے آریہ خصوصاً لالہ ملاوامل صاحب اور دیگر لوگ روزانہ پوری ہونے والی اخبار غیبیہ کے عینی شاہدین تھے۔ ان کے علاوہ شائع ہونے والی الہامی خبروں سے پورا ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک کے لوگ بھی باخبر ہونے لگے اور پھر اپنے وقت پر ان کے پورا ہونے کے گواہ بھی بنے۔ ہندوستان میں لیکھرام اور امریکہ میں الیگزینڈر ڈوئی کی عبرتناک اموات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی دھاک دلوں میں بٹھادی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ خبر دی تھی کہ ”میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا“۔ آج ایشیا، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ، سکینڈے نیویا کے ممالک، جاپان کے جزیروں اور افریقہ کے ہر کونے میں احمدیت کا پیغام ایم ٹی اے کے ذریعہ پہنچنے اور وہاں عملی طور پر جماعتیں قائم ہونے سے یہ پیشگوئی روز روشن کی طرح پوری ہوچکی ہے۔

قادیان کے آریہ سماجیوں، اپنے دوستوں، جانثار مریدوں اور دشمنوں سے لے کر عالمی واقعات کے متعلق سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے شمار پیشگوئیاں پوری ہوچکی ہیں۔ لیکن مخالفین کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ ہر بات میں نبی کا مذاق اُڑاتے ہیں اور خاص طور پر اُس کے الہامات اور پیشگوئیوں سے تمسخر کرتے ہیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات میں ایک الہام ”تائی آئی“ بھی تھا۔ اس کے متعلق شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگرمل) سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی سیرت کی کتاب ”حیاتِ طیّبہ“ کے صفحہ-40 پر تحریر فرماتے ہیں:

> ”تائی آئی“۔ حضرت اقدس کو یہ الہام 1900ء میں ہوا تھا۔ اس وقت کچھ نہیں سمجھا گیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ لیکن خدا کی قدرت کہ حضرت اقدسؑ کی وہی بھاوج صاحبہ جن کے ہاتھوں آپ کو تکلیفیں پہنچی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۱۹۱۶ء میں حضرت اقدسؑ کے فرزند حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے داخل سلسلہ احمدیہ ہوگئیں اور اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ الہام ”تائی آئی“ کا کیا مطلب تھا۔ خاتون موصوفہ سارے خاندان میں ”تائی“ کے لقب ہی سے

مشہور تھیں۔''

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں کفّار کے اس طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ج وَ اَمَّاالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَاللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا م یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا لا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ط وَمَا یُضِلُّ بِہٖ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ☆ (البقرۃ -2:27)

اللہ ہرگز اس سے نہیں شرماتا کہ کوئی سی مثال پیش کرے جیسے مچھر کی بلکہ اُس کی بھی جو اُس کے اوپر ہے۔ پس جہاں تک اُن لوگوں کا تعلّق ہے جو ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یہ اُن کے ربّ کی طرف سے حق ہے۔ اور جہاں تک اُن لوگوں کا تعلّق ہے جنہوں نے انکار کیا تو وہ کہتے ہیں (آخر) یہ مثال پیش کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہے۔ وہ اس (مثال) کے ذریعے بہتوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہتوں کو اس کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا۔

سورہ البقرۃ کی اس مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ کفّار نبی کی ہر بات کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ وقت پر اس نبی پر نازل کی گئی پیشگوئیوں اور وعدوں کو پورا فرما کر مخالفین پر حجّت تمام کر دیتا ہے۔ کچھ پیشگوئیاں نبی کی زندگی میں پوری ہو کر اس کے مخاطبین پر حجّت بنتی ہیں اور کچھ اس کے بعد پوری ہو کر آئندہ زمانے کے لوگوں کو اس کی صداقت کے تازہ ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنْ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ☆ (الرعد ۔13:41)

اور اگر ہم تجھے ان انذاری وعدوں میں سے کچھ دکھا دیں جو ہم ان سے کرتے ہیں یا تجھے وفات دے دیں تو (ہر صورت) تیرا کام صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے اور حساب ہمارے ذمہ ہے۔

اس موجودہ زمانے میں بھی حضورؑ کی دی ہوئی ایک اور خبر بڑی شان سے پوری ہوئی ہے اور وہ ہے جہاد کے مسئلے پر تمام دنیا کا بالعموم اور عالم اسلام کا بالخصوص آپؑ کے عقیدے کا ہمنوا ہونا اور پکار پکار کر کہنا کہ اس دور میں جنگوں کے ذریعے اسلام کی فتح نہیں ہو سکتی۔ حضورؑ نے فرمایا تھا:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

یہ حکم سن کے جو بھی لڑائی کو جائیگا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا

اک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس پیشگوئی کے بعد ایک بھی ایسی جنگ نہیں جو مسلمانوں نے جہاد کے نام پر لڑی ہو اور اس میں انہیں شکست نہ ہوئی ہو۔ اب مسلمان علماء اور دانشور جہاد کی اس تعریف کو اپنانے اور اسے اسلامی کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں جو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی

تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن نے جہادی تنظیموں کے خلاف بیان دیتے ہوئے انہیں دیوبندی مسلک سے خارج قرار دیا اور پاکستانی مذہبی سیاست کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے کہا:

''ایک تاریخی فیصلے میں دارالعلوم دیوبند نے پاکستان یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں کسی بھی دینی مدرسے اور مذہبی اداروں سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد کو جو بھارت کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہوں، دیوبندی مکتبہ فکر سے خارج قرار دے دیا ہے۔ ۱۹ جون کو دارالعلوم نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ اسلامی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہوئے دہشت گردی کرنے والے یا ان میں مدد دینے والے افراد دیوبندی نہیں ہو سکتے اور ایسے اشخاص یا اداروں کا دیوبند سے کوئی تعلق نہیں۔ دارالعلوم کو یہ سخت قدم اس لئے اٹھانا پڑا کیونکہ کشمیر اور پاکستان کے مدرسوں میں دہشت گردی کی تعلیم حاصل کرنے والے لوگ بھارت کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیاں دیوبندیت کے نام پر کر رہے ہیں۔ اس بات کا اعلان مہتمم دارالعلوم مولانا مرغوب الرحمٰن نے کیا۔ اسی سلسلے میں امریکہ پاکستان کے بہت سے مدرسوں کو نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ پاکستان اور چند دوسرے ممالک میں ایسے بہت سے مدرسے ہیں جو دنیا بھر میں دارالعلوم دیوبند کی ساکھ، نیک نامی اور وقار کے ساتھ ساتھ اس کے طریقہ تعلیم سے متاثر ہو کر اس کا نصابِ تعلیم یعنی درس نظامی اپنا چکے ہیں۔ دارالعلوم کا صحیح اسلامی تعلیم کو پیش کرنا، حب الوطنی، ہمسایوں کے حقوق و فرائض، بے گناہوں کو نقصان پہنچانے اور مارنے سے باز رہنے کی تعلیم دینا اور معاشرتی برائیوں سے بچنے کی تعلیم دیتے ہوئے نیک اور صالح زندگی گزارنے کا درس دینا بھی ایسے مدرسوں کیلئے متاثر کن ہے۔ اپنے اداروں کو ان خطوط پر چلانے کے لئے یہ مدارس خود کو دیوبند مکتبہ فکر کے ساتھ وابستہ قرار دیتے ہیں لیکن عملی طور پر اپنی بدنیتی یا مقامی سیاست کے زیر اثر غیر اسلامی طریقے اپناتے ہیں۔ وجہ جو بھی ہو، ان مدارس کا یہ طریق مکتبہ دیوبند کے لئے بدنامی کا باعث بنتا ہے'' (ملی گزٹ، 31-16 جولائی 2002ء)

''جہاں ہندوستان کے دیوبندیوں نے خصوصاً اور 130 ملین مسلمانوں نے عموماً ہندوستان کے سیکولر آئین اور کثیر المذہبی معاشرہ کو قبول کر لیا ہے وہاں افغانستان اور پاکستان کے دیوبندی اس فکر میں ہیں کہ ان کا انتہا پسندانہ طرز اسلام بزور طاقت نافذ کیا جائے۔ یہ جاننا بہت اہم ہے کہ جنوبی ایشیاء کے دیوبندی اتنا واضح اختلاف کیوں رکھتے ہیں۔ یہاں دیوبند میں جہاد بمعنی مذہبی جنگ کی ہرگز تعلیم نہیں دی جاتی۔ دارالعلوم کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن نے کہا کہ ہمارے مدرسوں میں آپ کو کسی کو مارنے کے لئے چھڑی تک نہیں ملے گی۔ اس کے برعکس پاکستان کے دینی مدرسے مذہبی جنگوں کی تربیت گاہیں بن چکے ہیں جہاں سے مولانا مسعود اظہر جیسے بہت سے دیوبندی طالبان لیڈر تیار ہو کر نکلے اور بھارت سمیت بہت سی جگہوں میں دہشتگردی کی وارداتوں میں ان کا ہاتھ بتایا جاتا ہے۔ دیوبندیوں کے اس واضح فرق کی جڑیں ہندوستان کے سیکولر آئین اور کثیر المذہبی معاشرہ میں پوشیدہ ہیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن نے کہا کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں پھر مسلمان ہیں۔ انہوں نے (پاکستانیوں نے) ہمارا طرز تعلیم تو اپنایا ہے لیکن اس کو بالکل الگ طریقے پر پیش کر رہے ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' (ملی گزٹ۔ 31-16 جولائی 2002ء By Celia W. Dugger,
(The Newyork Times, 26 Feb,2002 (

شیخ محمد اکرام صاحب اپنی مشہور تصنیف ''موجِ کوثر'' میں لکھتے ہیں

''احمدی جماعت کے فروغ کی ایک اور وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں۔مرزا صاحب اور ان کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان یعنی تحریری اور زبانی تبلیغ کا زمانہ ہے۔ان کے اس عقیدے سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے،لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج جہاد بالسیف کی اہلیت نہ تو احمدیوں میں ہے نہ عام مسلمانوں میں۔طاقتِ جلوہ سینا نہ تو داری نہ من۔عام مسلمان تو جہاد بالسیف کے عقیدے کا خیالی دم بھر کے،نہ عملی جہاد کرتے ہیں اور نہ تبلیغی جہاد۔لیکن احمدی جنہوں نے جہاد بالسیف کے معاملے میں کھلم کھلا اور صاف صاف حالاتِ حاضرہ کے سامنے سر جھکا دیا ہے،دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو ایک مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور اس میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔''(موجِ کوثر۔صفحہ۔179،ناشر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،2۔کلب روڈ،لاہور۔ ایڈیشن۔1984)

اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مسلّح جہاد سے اظہار براءت کرتے ہوئے فرمایا:

''اس کے علاوہ آج سے آٹھ دس برس قبل واشنگٹن ایریا کے ایک اچھے اجتماع میں اپنے خطاب کے اختتام پر جو motto یا slogan میں نے دیا تھا اب اس کو عام کرنے کی ضرورت ہے یعنی: "Yes! we are fundamentalists, but not terrorists" اور اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اسامہ بن لادن اور کسی واقعی یا موہومہ تنظیم القاعدہ سے اظہار براءت کیا جائے۔ اس کے ضمن میں یاد ہوگا کہ عالم اسلام کی تحریکوں میں جب مسلح مزاحمت اور تشدد اور توڑ پھوڑ یا قتل و غارت کے رجحانات پیدا ہوئے اور بعض جگہوں پر ballot کا راستہ رک جانے پر bullet کا راستہ اپنایا گیا تو اسے میں نے ہمیشہ غلط بلکہ مضر اور counter-productive قرار دیا۔اب اس نقطہ نظر کی زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے!''(''ہماری دینی و تحریکی فکر اور اس کے تقاضے اور امریکی معاشرے میں دعوت و اقامتِ دین کی ممکنہ عملی صورت''ڈاکٹر اسرار احمد۔ماہنامہ میثاق،فروری 2003ء)

جھوٹا نبی کامیاب نہیں ہوتا

کسی بھی مدعی وحی والہام کے کذب وصداقت کا ایک بہت بڑا معیار جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس کی بیان کردہ باتیں درحقیقت خداتعالیٰ کی طرف سے نہ ہوں اور اس نے اپنے دل سے گھڑ کر بعض باتیں خداتعالیٰ کی طرف منسوب کردی ہوں تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی ایسے جھوٹے کو کامیاب نہیں کرتا۔ اس معیار کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تین طریق پر بیان کیا ہے۔ ایک تو خود اپنی طرف سے اس معیار کو سورہ الحاقہ کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ☆ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ☆ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ☆ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ☆ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ☆ (الحاقة:49-69:45)

اور اگر وہ بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کر دیتا۔ تو ہم اسے ضرور داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر ہم یقیناً اس کی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی ایک بھی اس سے (ہمیں) روکنے والا نہ ہوتا۔ اور یقیناً یہ متقیوں کیلئے ایک بڑی نصیحت ہے۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے مسلمان علماء اس آیت کو کسی بھی مدعی کی صداقت کا معیار ٹھہرایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی مدعی الہام اپنے دعویٰ الہام کے بعد آنحضرت ﷺ کے دور نبوت یعنی ۲۳ سال تک زندہ رہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سچا ہے۔ لیکن جب حضورؑ نے اپنے دعویٰ الہام پر اتنی مدت گزر جانے کے بعد اس معیار کو اپنی صداقت کا نشان بتایا تو انہوں نے اپنی ہی کہی ہوئی باتوں کو بدل کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ معیار صرف آنحضرت ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہی آیات میں اس بات کی وضاحت فرما چکا ہے کہ اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے کو ہلاک کر دیتا ہے، متقیوں کیلئے ایک بڑی نشانی ہے۔ یعنی اس معیار کو متقی ہر دور میں مدعیان نبوت پر چسپاں کر کے ان کی صداقت پرکھ سکتے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِباً ج فَاِنْ يَّشَاِاللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ط وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ط اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ o (الشورىٰ-42:25)

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے؟ پس اگر اللہ چاہتا تو تیرے دل پر مہر لگا دیتا اور جھوٹ کو اللہ مٹا دیا کرتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے ثابت کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

یہ آیت بھی منکرین کے اس مفروضے کا رد ہے کہ افتراء کی سزا صرف آنحضرت ﷺ کے دور تک محدود تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی سنت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ کو مٹا دیا کرتا ہے اور سچ کو اپنے کلمات سے ثابت کر دیتا ہے۔ اگر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ جھوٹ تھا تو اللہ نے اسے مٹایا کیوں نہیں اور آج تک اس کی تائید میں نشانات کیوں ظاہر ہو رہے ہیں؟ احمدیت کی مخالفت میں ایسے مفروضے پیش کرنے والے غیر احمدی علماء کی کتابوں میں دوسری جگہ یہ معیار صداقت بھی لکھا گیا ہے کہ ایک جھوٹے مدعی نبوّت کو خدا اس دنیا میں ہی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا اور اس سے کوئی معجزہ

صادر نہیں ہونے دیتا۔ مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں

"دنیا میں اگر کوئی شخص بادشاہ کی نیابت یا سفارت کاری کا جھوٹا دعویٰ کر کے جعلی سند بناتا ہے تو بادشاہ خبر پانے کے بعد ملکی انتظام کی خاطر اس جھوٹے کو بڑی سزا دیتا ہے۔ جب دنیا کے حاکموں اور بادشاہوں کو ملکی انتظام اس قدر مقصود ہوتا ہے تو کیا احکم الحاکمین کو اپنے عالم کا انتظام مقصود نہ ہوگا۔ لہٰذا جھوٹے شخص سے ہرگز معجزہ ظاہر نہ ہونے دے گا اور **اس جھوٹے کو دنیا ہی میں رسوا کرے گا۔**"

(اسلامی عقائد۔صفحہ۔28، ڈاکٹر مفتی عبدالواحد)

دوسرا طریق اللہ تعالیٰ نے اس معیار کے بیان کا یہ اختیار کیا ہے کہ خود ایک نبی کی زبان سے اس کو کہلوایا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے اور واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اگر میں نے جھوٹا دعویٰ کیا ہوگا تو اس کا وبال خود مجھ پر پڑ جائیگا تمہیں مجھے سزا دینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ احکم الحاکمین خدا خود مجھے اس جھوٹ کی سزا دیدے گا۔ تم البتہ ان جرائم کی پاداش کی فکر کرو جن میں تم ملوّث ہو۔ اس صاف صاف وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سچے نبی کا یہ نشان بھی بتا دیا کہ اس وقت اس کی قوم میں جو جرم پائے جاتے ہیں اور جن عام برائیوں کا وہ شکار ہوتی ہے، یہ سچا نبی ان تمام قومی اور معاشرتی برائیوں سے پاک ہوتا ہے اور ان کے درمیان رہتے ہوئے بھی ان جیسا نہیں ہوتا۔ چنانچہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے دور کی تمام مروجہ اخلاقی برائیوں اور بدعادات سے پاک تھے جس کی گواہی قادیان کے رہنے والے کیا مسلمان کیا آریہ اور سکھ اور کیا عیسائی، سب دیتے تھے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ☆ (هود-11:36)

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے افترا کرلیا ہے؟ تو کہہ دے کہ اگر میں نے یہ افترا کیا ہوتا تو مجھ پر ہی میرے جرم کا وبال پڑتا۔ اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کیا کرتے ہو۔

تیسرا طریق اس معیار کے بیان کا یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ایک مومن شخص کی زبان سے اس بات کو کہلوایا گیا ہے۔ گویا یہ ایک سعید الفطرت انسان کے دل کی آواز ہے جس کا کانشنس اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اگر یہ مدعی وحی والہام شخص جھوٹا ہوگا تو ضرور خدا تعالیٰ سے سزا پائیگا۔ لیکن اگر یہ سچا ہوا تو جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اس میں سے ضرور کچھ نہ کچھ پورا ہو کر رہیگا۔ اس کے انکار اور اسے اذیت پہنچانے پر قوم کو سزا بھگتنی پڑے گی۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ اس مدعی نبوت کو آزادانہ اپنا کام کرنے دیا جائے۔

وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ (المومن۔40:29)

اور اگر وہ جھوٹا نکلا تو یقیناً اس کا جھوٹ اسی پر پڑیگا اور اگر وہ سچا ہوا تو جن چیزوں سے وہ تمہیں ڈراتا ہے ان میں سے کچھ ضرور تمہیں آ پکڑیں گی

ان آیات کی روشنی میں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ اور تاریخ جماعت احمدیہ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تباہ و برباد کرنے کی بجائے ہر قدم پر حضور کی مدد و نصرت فرمائی۔ حضور علیہ السلام اسی قرآنی معیار کو پیش کرتے ہوئے فرماتے

ہیں:

’’خدا تعالیٰ اپنی تائیدات اور اپنے نشانوں کو ابھی ختم نہیں کر چکا اور اسی کی ذات کی مجھے قسم ہے کہ وہ بس نہیں کرے گا جب تک میری سچائی دنیا پر ظاہر نہ کر دے۔ پس اے تمام لوگو جو میری آواز سنتے ہو خدا کا خوف کرو اور حد سے مت بڑھو۔ اگر یہ منصوبہ انسان کا ہوتا تو خدا مجھے ہلاک کر دیتا اور اس تمام کاروبار کا نام ونشان نہ رہتا۔ مگر تم نے دیکھا ہے کہ کیسی خدا تعالیٰ کی نصرت میرے شامل حال ہو رہی ہے اور اس قدر نشان نازل ہوئے جو شمار سے خارج ہیں۔ دیکھو کس قدر دشمن ہیں جو میرے ساتھ مباہلہ کر کے ہلاک ہو گئے۔ اے بندگان خدا! کچھ تو سوچو کیا اللہ تعالیٰ جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے۔‘‘ (تتمہ حقیقۃ الوحی۔118، روحانی خزائن۔جلد22 صفحہ۔554)

تم اپنا کام کرو مجھے اپنا کام کرنے دو

اس معیار صداقت کو تین مختلف پہلوؤں سے بیان کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے رسول کو یہ ہدایت کی ہے کہ مخالفین سے کہو کہ:

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ج فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ☆ لا مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ

تو کہہ دے کہ اے میری قوم! تم نے اپنی جگہ جو کرنا ہے کرتے پھرو، میں بھی کرتا رہوں گا۔ پس تم عنقریب جان لوگے۔ (کہ) کس تک وہ عذاب پہنچتا ہے جو اسے ذلیل کر دے اور کون ہے جس پر آ کر ٹھہر جانے والا عذاب اترتا ہے۔ (الزّمر۔39:40,41)

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کے رئیس بُدَیل بن ورقا کو اہل مکّہ کے لئے یہی تجویز دے کر اُن کے پاس بھیجا اور فرمایا:

’’ہم تو جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کی نیّت سے آئے ہیں اور افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ قریش مکّہ کو جنگ کی آگ نے جلا جلا کر خاک کر رکھا ہے مگر پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے اور میں ان لوگوں کے ساتھ اس سمجھوتہ کے لئے بھی تیار ہوں کہ وہ میرے خلاف جنگ بند کر کے مجھے دوسرے لوگوں کے لئے آزاد چھوڑ دیں۔ لیکن اگر انہوں نے میری اس تجویز کو بھی ردّ کر دیا اور بہر صورت جنگ کی آگ کو بھڑکائے رکھا تو مجھے بھی اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ پھر میں بھی اس مقابلہ سے اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا کہ یا تو میری جان اس رستہ میں قربان ہو جائے اور یا خدا مجھے فتح عطا کرے۔ اگر میں ان کے مقابلہ میں آ کر مٹ گیا تو قصہ ختم ہوا لیکن اگر خدا نے مجھے فتح عطا کی اور میرے لائے ہوئے دین کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر مکّہ والوں کو بھی ایمان لانے میں کوئی تامّل نہیں ہونا چاہئے۔ بُدَیل بن ورقا نے یہ تجویز اہل مکّہ کے سامنے رکھی تو عروہ بن مسعود ثقفی نے بھی اس کی تائید کی اور اہل مکّہ پر زور دیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی یہ بات مان لینی چاہئے۔‘‘ (بخاری کتاب الشروط)

مذہبی امن قائم کرنے والی یہ تجویز انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے۔ واقعہ صلیب کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے یروشلم میں تبلیغ

کی تو وہاں کے مذہبی رہنماؤں کو بہت غصّہ آیا اور انہوں نے ان حواریوں اور ان کے مشن کو بذریعہ جبر ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ تب گملی ایل نامی ایک عالم نے اُٹھ کر ان سے کہا:

''اے اسرائیلیو! ان آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا۔ کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اُٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں اور تخمیناً چار سو آدمی اس کے ساتھ ہو گئے تھے مگر وہ مارا گیا اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوئے اور مٹ گئے۔ اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اسم نویسی کے دنوں میں اٹھا اور اس نے کچھ لوگ اپنی طرف کر لئے۔ وہ بھی ہلاک ہوا اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہو گئے۔ پس اب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو اور ان سے کچھ کام نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے تو آپ برباد ہو جائیگا۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے۔'' (اعمال باب۔5۔آیات 38-35)

قرآن وحدیث اور انجیل کے ان اصولوں کے مطابق مدعی نبوت کو نہ ماننے والے اگر اپنی اپنی جگہ پر اس نبی کی تعلیم کا رد کرتے رہیں اور اس کی نصیحتوں کو غلط پروپیگنڈہ قرار دیتے رہیں لیکن اس نبی کو اپنی جگہ کام کرنے دیں تو ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب سچی بات کو فتح حاصل ہو جاتی ہے اور جھوٹ کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن مخالفین کے پاس چونکہ سچے نبی کے دلائل کا توڑ نہیں ہوتا اس لئے وہ جبراً اس کی آواز کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سچے انبیاء اور ان کی جماعتوں کے ساتھ کیا جانے والا یہ سلوک جماعت احمدیہ کے ساتھ بھی کیا گیا اور نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ افراد، گروہوں اور منظّم جماعتوں سے لے کر حکومتوں تک نے ریاستی مشینری استعمال کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن نتیجۃً خود ملیا میٹ ہو گئے۔ ہر میدان میں جماعت احمدیہ کامیابی کے جھنڈے گاڑتی رہی اور اس کے دشمن خاک چاٹتے رہے۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیاب زندگی کے علاوہ جماعت احمدیہ کی سو سال سے زیادہ کی تاریخ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ تمام تر اندرونی و بیرونی سازشوں، قاتلانہ حملوں، آئین سازیوں، امتیازی قوانین کے نفاذ اور خلافت کے خلاف سازشوں کے باوجود جماعت احمدیہ اور نظامِ خلافت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی تائید و نصرت کے ساتھ مسلسل ترقی پذیر ہے اور جس مشن کو لے کر وہ آگے بڑھی تھی اسے آج دنیا بھر میں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی تائید اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی دلیل نہیں؟

ربّانی بنانے والی تعلیم

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ☆ وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ o (آل عمران۔81-3:80)

کسی بشر کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میری عبادت کرنے والے بن جاؤ۔ بلکہ (وہ تو یہی کہتا ہے کہ) ربّانی ہو جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ تم (اسے) پڑھتے ہو۔ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو ہی رب بنا بیٹھو۔ کیا وہ تمہیں کفر کی تعلیم دیگا بعد اس کے کہ تم فرمانبردار بن چکے ہو۔

یہ آیت جہاں ایک طرف یہ ثابت کرتی ہے کہ نبوت جاری ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے وہاں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ نبوت کی صداقت بھی ثابت کرتی ہے اس لئے کہ حضورؑ نے اپنی تعلیم میں خودنمائی اور پیروں کی طرح اپنی شان وشوکت اور جاہ وجلال کو قائم کرنے کی طرف نہیں بلکہ خدا کی سچی اور کامل توحید اور پرستش کی طرف بلایا۔ آپؑ کی تعلیم ربانی بنانے والی تعلیم ہے۔ آپؑ ان تمام لوازمات سے متنفر تھے جو گدی نشین اور پیر اپنی شان وشوکت ظاہر کرنے کیلئے اپنایا کرتے تھے۔ اس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جو محترم شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگرمل) نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کی کتاب 'حیاتِ طیّبہ' میں **ایک ایمان افزا روایت** کے عنوان کے تحت درج کی ہے۔

> ''خاکسار راقم الحروف نے حضرت اقدس کے کئی پرانے صحابہ سے یہ روایت سُنی ہے جن میں حضرت بابو غلام محمد فور مین لاہوری اور حضرت میاں عبدالعزیز مغل کا نام خاص طور پر یاد ہے کہ ایک دفعہ جب کہ حضور لاہور تشریف لائے۔ ہم چند نوجوانوں نے یہ مشورہ کیا کہ دوسری قوموں کے بڑے بڑے لیڈر جب یہاں آتے ہیں تو ان کی قوموں کے نوجوان گھوڑوں کی بجائے خود ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں۔ اور ہمیں جو لیڈر اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ اتنا جلیل القدر ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ پس آج گھوڑوں کی بجائے ہمیں ان کی گاڑی کھینچنی چاہئے۔ چنانچہ ہم نے گاڑی والے کو کہا کہ اپنے گھوڑے الگ کرلو۔ آج گاڑی ہم کھینچیں گے۔ کوچ مَین نے ایسا ہی کیا۔ جب حضور باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ گھوڑے کہاں ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ حضور دوسری قوموں کے لیڈر آتے ہیں تو ان کی قوم کے نوجوان ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں۔ آج حضور کی گاڑی کھینچنے کا شرف ہم حاصل کریں گے۔ فرمایا۔ فوراً گھوڑے جوتو۔ ہم انسان کو حیوان بنانے کے لیے دنیا میں نہیں آئے۔ ہم تو حیوان کو انسان بنانے کے لیے آئے ہیں!۔'' (صفحہ 354,355)

اگر حضورؑ نعوذ باللہ ایک جھوٹے مدعی ہوتے تو اس طرح انہیں اپنا رعب وداب جمانے اور مخالفین پر اپنی شان وشوکت ظاہر کرنے کا ایک بہترین موقعہ مل جاتا لیکن خدا کے اس سچے مسیحؑ نے جو لوگوں کو اپنے بندے بنانے کی بجائے خدا کا بندہ بنانے آیا تھا، اس طرز عمل اور اس پیشکش کو فوری رد کر دیا۔ لیکن

اس کے برعکس ہندوستان کے ایک بہت بڑے مسلم سیاسی لیڈر علیگڑھ یونیورسٹی تشریف لے گئے تو وہاں کے طلباء جوش عقیدت میں ان کی بگھی کے گھوڑے کھول کر اس کے آگے جت گئے اور خود کھینچ کر بگھی کو یونیورسٹی تک لے گئے۔ یہ ہے بیّن فرق ایک روحانی اور ایک دنیاوی لیڈر میں۔

غلبہ کا وعدہ

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ط اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ o (مجادلہ - 58:22)

اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ☆ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ☆ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ☆

اور بلاشبہ ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے حق میں ہمارا (یہ) فرمان گزر چکا ہے۔ (کہ) یقیناً وہی ہیں جنہیں نصرت عطا کی جائیگی۔ اور یقیناً ہمارا لشکر ہی ضرور غالب آنے والا ہے۔ (الصٰفٰت - 174-172:37)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ☆ (المؤمن-40:52)

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور اُن کی جو ایمان لائے اِس دنیا کی زندگی میں بھی مدد کریں گے اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ط اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ☆

اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کو لبیک نہیں کہتا تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں بن سکتا اور اس کے مقابل پر اس کے کوئی سرپرست نہیں ہوتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کھلی کھلی گمراہی میں ہیں۔ (الاحقاف - 46:33)

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں کے ساتھ ایک غیر مبدل سلوک یہ ہوتا ہے کہ انجام کار وہی غالب آتے ہیں اور زمانے کی تمام تر طاقتیں، تمام حربوں کو آزمانے کے باوجود ناکامی کا منہ دیکھتی ہیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حیات مبارکہ میں پیش آنے والے مقدمات اور مخالفتیں ہوں یا قادیان میں 1935ء کی احرار کانفرنس؛ 1953ء اور 1974ء کے ہنگامے اور غیر مسلم قرار دینے والی آئینی ترامیم ہوں یا 1984ء کے ظالمانہ آرڈیننس؛ بنگلہ دیش کے مُلّاؤں کا فساد ہو یا انڈونیشیاء کے مولویوں کی تحریک، جماعت احمدیہ کی تمام تر تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر طرح سے اسے ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن ایک ایک کر کے اس کے دشمن ختم ہوتے رہے اور یہ نہ صرف قائم و دائم ہے بلکہ ترقی کی راہوں پر مسلسل قدم بڑھا رہی ہے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

منکرین کا ردعمل

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ نبی کے مخاطب معاشرے میں طاقت کے وہ مراکز اور سماج کے وہ ستون جن پر سیاست، مذہب اور اقتصادیات کا سارا دارومدار ہوتا ہے، نبی کی اس آواز پر لرز جاتے ہیں اور انہیں اپنی بقا کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے فائدہ کیلئے ایک ایسا استحصالی نظام وضع کیا ہوتا ہے جس میں عوام پس رہے ہوتے ہیں لیکن مراعات یافتہ طبقہ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ نبی کی تعلیم پھیلنے کی صورت میں انہیں اپنی تمام مراعات ہاتھ سے جاتی ہوئی نظر آتی ہیں لہذا یہ تمام طبقے آپس کی ریشہ دوانیوں اور ملی بھگت کے ذریعے اس آواز کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مخالفین کا یہ سلوک ہر نبی کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی ہے کہ تو ان کے سلوک سے دل گرفتہ نہ ہو اور نہ غم کر بلکہ اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر و استقامت کا نمونہ دکھا۔ تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ؕ تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ☆ (البقرۃ-2:119)

اور وہ لوگ جو کچھ علم نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ آخر اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس بھی کوئی نشان کیوں نہیں آتا۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے ان کے قول کے مشابہ بات کی تھی۔ ان کے دل آپس میں مشابہ ہو گئے ہیں۔ ہم آیات کو یقین لانے والی قوم کیلئے خوب کھول کر بیان کر چکے ہیں۔

مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ ؕ (حٰم سجدۃ - 41:44)

تجھے کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔

کَذٰلِکَ مَآ اَتَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ☆ اَتَوَاصَوْا بِہٖ ۚ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ☆

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف بھی کبھی کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہا کہ یہ ایک جادوگر یا دیوانہ ہے۔ کیا اسی کی وہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں؟ بلکہ یہ ایک سرکش قوم ہیں۔ (الذٰریٰت - 51:53,54)

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی منکرین نے بعینہ وہی سلوک کیا جو گذشتہ انبیاء کے مخالفین ان کے ساتھ کرتے آئے ہیں اور جن کی تاریخ قرآن کریم نے بیان کی ہے۔ مخالفین کا ایسا سلوک کرنا ہی آپؑ کے ایک سچا رسول ہونے کا نشان ہے۔

شاعر کھہ کر ماننے سے انکار کردیتے ھیں

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ☆ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ☆ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ☆ (الصّٰفٰت۔ 38-37:36)

یقیناً وہ ایسے تھے کہ جب انہیں کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ استکبار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک مجنون شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو حق لے کر آیا تھا اور سب رسولوں کی تصدیق کرتا تھا۔

سورہ الصّٰفٰت کی مندرجہ بالا آیات میں کلمہ توحید کے مقابل پر کفّار کا استکباری روّیہ بیان کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نبی کو شاعر کہتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ہم اس شاعر کی خاطر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی بعینہٖ ایسا ہی ہوا۔ آپؑ کے منکرین نے یہ کہہ کر آپؑ کا انکار کیا کہ یہ شاعر ہے اور ایک نبی شاعر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم اس شخص کو نبی نہیں مان سکتے۔

اپنے علماء کو اس پر ترجیح دیتے ھیں

سورہ الزّخرف میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ کفّارِ مکّہ نے یہ اعتراض بھی کیا کہ نزولِ قرآن کے لیے حضرت محمّد ﷺ کو ہی کیوں منتخب کیا گیا، دو بڑی بستیوں کے کسی عالم فاضل اور شان و شوکت رکھنے والے عظیم شخص پر کیوں نہ نازل کیا گیا۔

وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ☆ (الزّخرف43:32)

اورانہوں نے کہا کیوں نہ یہ قرآن دو معروف بستیوں کے کسی بڑے شخص پر اتارا گیا؟۔

سورہ الزخرف کی ہی مندرجہ ذیل آیات میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جب کفّار کے سامنے مسیحؑ کی مثال بیان کی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر مثیل مسیحؑ کی بات کی جاتی ہے تو وہ شور مچا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے خدا اس سے بہتر ہیں۔

وَلَـمَّا ضُرِبَ ابنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَومُکَ مِنهُ يَصِدُّونَ ☆وَ قَالُوا ءَ اٰلِهَتُنَا خَيرٌ اَم هُوَ ط مَا ضَرَبُوهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا ط

بَل هُم قَومٌ خَصِمُونَ☆ (الزّخرف - 43:58,59)

اور جب ابن مریم کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے تو اچانک تیری قوم اس پر شور مچانے لگتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ وہ تجھ سے یہ بات محض جھگڑے کی خاطر کرتے ہیں بلکہ وہ سخت جھگڑالو قوم ہے۔

ان دونوں مذکورہ بالا قرآنی حوالوں میں خداؤں سے مراد وہ بُت بھی ہو سکتے ہیں جن کو کفّار پوجتے تھے لیکن اس کا ایک اور مفہوم، جو قرآن و

حدیث کے عین مطابق ہے، یہ ہے کہ نبی کے منکرین اپنے علماء کی اس حد تک پیروی کرتے ہیں کہ گویا ان کو خدا بنا بیٹھتے ہیں اور ان کو نبی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اسی حقیقت کو بیان فرماتے ہوئے سورہ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رھبان کو خدا بنا رکھا ہے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ج وَمَآ اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰھًا وَّاحِدًا ج لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ☆ (التوبہ - 9:31)

انہوں نے اپنے علمائے دین اور راہبوں کو اللہ سے الگ رب بنا رکھا ہے اور اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ وہ پاک ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے ترمذی ابواب تفسیر القرآن باب تفسیر سورۃ توبہ، میں درج ایک حدیث کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے حضرت عدیؓ بن حاتم کو یہی سمجھایا کہ علماء کی باتیں آنکھیں بند کر کے مان لینا اور ان باتوں کی اللہ کی کتاب سے تصدیق نہ کرنا گویا ان علماء کی عبادت کرنا اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اور یہود و نصاریٰ کا اپنے احبار و رہبان کی پرستش کا یہی مطلب ہے ورنہ وہ انہیں اللہ کی طرح پوجتے نہ تھے۔

آج کے دور میں لوگوں نے عملاً اپنے دین کو ملاّ کے سپرد کر دیا ہے اور ان کی ہر من گھڑت اور خلاف عقل تشریح کو قرآن وسنّت کی حقیقی تعبیر سمجھتے ہیں اور کتاب وسنّت سے اس کی تصدیق ضروری نہیں سمجھتے۔ کسی بھی دینی مسئلہ میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ قرآن وحدیث میں اس کے متعلق کیا لکھا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلاں فلاں عالم نے اس کی تشریح میں کیا لکھا ہے۔ مقلّدین حضرات برملا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے لئے بس یہ کافی ہے کہ ہمارے امام نے کیا لکھا ہے، ہمیں قرآن وحدیث سے رجوع کی نہ ضرورت ہے نہ طاقت۔ اُن کے بقول وہ علماء جنہوں نے برسوں تک مدرسوں میں تعلیم حاصل کی اور عربی صرف نحو اور ادب کے ماہرین ہیں، اگر نبوّت ملتی تو ان علماء کو ملتی جو اس مدعی نبوّت سے زیادہ بہتر ہیں۔ گویا دنیاوی سرچشمہ کو مستند اور حتمی سمجھا گیا لیکن آسمانی سرچشمہ کا انکار کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ رحمتِ باری یعنی نبوّت کی تقسیم کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی گئی۔

پہلے رسولوں کے نشانات کا مطالبہ کرتے ہیں

کفار اور منکرین کی ایک علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے دور کے نبی سے پچھلے ادوار میں گذرے ہوئے انبیاء کے نشانات طلب کرتے ہیں حالانکہ ان کے پیشرو لوگ ان گذشتہ انبیاء کے انہی نشانات کا انکار کر چکے ہوتے ہیں۔ سورہ الانعام کی مندرجہ ذیل آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

وَ اِذَا جَآءَتْھُمْ اٰیَۃٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ ط ---(الانعام - 6:125)

اور جب ان کے پاس کوئی نشان آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں ویسا ہی (نشان) دیا جائے جیسا (پہلے) اللہ کے رسولوں کو دیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہود کو یہ کہا کہ میں بائیبل میں موجود پیشگوئی کے مطابق موسیٰ کی طرح کا نبی ہوں تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ویسے ہی نبی ہو جیسا کہ موسیٰ نبی تھا تو پھر تم وہ معجزات کیوں نہیں دکھاتے جو موسیٰ نے دکھائے تھے۔

فَلَمَّا جَآءَ هُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسیٰ ط اَوَلَمْ یَکْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسیٰ مِنْ قَبْلُ ج ...

پس جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے کہا کہ اسے ویسا ہی کیوں نہ دیا گیا جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا۔ کیا وہ اس سے پہلے اس کا انکار نہیں کر چکے جو موسیٰ کو دیا گیا تھا؟ (القصص - 28:49)

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی انہی اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا جو ہر زمانے کے منکرین انبیاء پر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے زمانے کے منکرین یہ کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب ابن مریم ہیں تو کتنے مُردوں کو انہوں نے زندہ کیا، اور کتنے مادرزاد اندھے، کوڑھی اور لنگڑے لُولے انہوں نے
ٹھیک کئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ''جنگ مقدس'' نامی مشہور مباحثہ میں علمی طور پر ناکام ہونے کے بعد عیسائی پادری چند لُولے لنگڑوں کو لے آئے کہ اگر آپ واقعی مسیح موعود ہیں تو ان بیماروں کو شفا بخش کر اپنا دعویٰ ثابت کیجئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی کا وار ان پر الٹتے ہوئے فرمایا کہ ہم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو ویسا نہیں سمجھتے جیسا کہ آپ کا خیال ہے لیکن آپ کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے کہ اگر آپ میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے تو آپ لوگ مسیح سے بڑے معجزے دکھا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ میں رائی کے دانے کے برابر تو ایمان ہوگا چنانچہ خود ہی مہربانی فرما کر ان بیماروں کو معجزانہ شفا بخشیے۔ یہ سن کر ان پادریوں کو وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔

نئے ذکر سے اعراض اور تمسخر کرتے ہیں

مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ یَلْعَبُوْنَ o (الانبیاء - 21:3)
ان کے پاس کوئی نیا ذکر ان کے رب کی طرف سے نہیں آتا مگر وہ اسے اس طرح سنتے ہیں گویا وہ شغل کر رہے ہوں

وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ o (الشعراء - 26:6)
اور ان کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں ایک تو سنت اللہ بیان کی گئی ہے اور دوسرے منکرین کا ردِّعمل بتایا گیا ہے۔ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ذکر نازل کرتا رہتا ہے اور دوسرا یہ کہ جن لوگوں کو پہلے ذکر عطا کیا گیا ہوتا ہے وہ نئے ذکر کے نازل ہونے پر چیں بجبیں ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہوئے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جو لوگ ذکر کے حامل تھے جب ان کو یہ بتایا گیا کہ تمہارے پاس موجود

ذکر کی تصدیق میں خدا نے ایک نیا ذکر نازل کیا ہے تا کہ تمہاری ان خرابیوں اور بداعمالیوں کی طرف توجہ دلائی جائے جو تم نے اپنے پہلے ذکر کے ساتھ روا رکھی ہیں تو ان لوگوں نے اس نئے ذکر کا مذاق اڑایا اور اس سے منہ پھیر لیا۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد نزولِ وحی کا انکار کرتے ہیں

یہود کہتے ہیں کہ ہم صرف اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَ یَکْفُرُوْنَ بِمَآ وَرَآءَ ہٗ ق (البقرة 2:92)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے جو ہم پر اتارا گیا جبکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں جو اس کے علاوہ (اتارا گیا) ہے

یہود کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مخالفینِ احمدیت بھی قرآنِ کریم کے بعد نازل ہونے والی وحی پر ایمان لانے کا انکار کرتے ہیں۔ اُنکا کہنا ہے کہ مندرجہ ذیل آیت میں آنحضرت ﷺ سے پہلے اور آپؐ پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان لانے کا تو حکم ہے لیکن آپؐ کے بعد نازل ہونے والی کسی وحی پر ایمان لانے کا کوئی ذکر نہیں۔

وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج وَ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْن☆ (البقرة - 2:5)

اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

لیکن مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں بھی حضرت نوحؑ اور اُن کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام پر نزولِ وحی کا ذکر ہے اور ان سے پہلے کسی نبی پر نزولِ وحی کا ذکر نہیں ہے۔ جبکہ مصدقہ طور پر حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہونے والے نبی تھے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ اگر کسی آیت میں کسی نبی کے بعد یا پہلے کسی اور نبی پر نزولِ وحی کا ذکر نہ ہو تو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ج... (النساء -4:164)

ہم نے یقیناً تیری طرف ویسے ہی وحی کی جیسا نوح کی طرف وحی کی تھی اور اس کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف۔

مخالفین کی اسی دلیل کے ساتھ اگر سورۃ بقرہ ہی کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو دیکھئے کیسا خطرناک نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ☆ (البقرة - 2:22)

اے لوگو! تم عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے۔ تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اس آیت کریمہ میں مخاطبین اوران سے پہلے کے لوگوں کا ذکر ہےان کے بعد آنے والوں کا ذکرنہیں ہےتو کیا ہمارے مخالفین صرف اسی بناء پر کہ اس آیت میں ''وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِکُم'' کے الفاظ نہیں ہیں اپنے بعد کسی کے پیدا ہونے کا انکار کردیں گے یا یہ عقیدہ رکھیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ کوئی اورتخلیق کرے گا؟

اپنے درمیان نبی آنے پر تعجب کرتے ھیں

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ اَنْ اَنْذِرِالنَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ ط قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ o (یونس- 10:3)
کیا لوگوں کیلئے تعجب انگیز ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی نازل کی (اس حکم کے ساتھ) کہ لوگوں کو ڈرااوران لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں خوشخبری دے کہ ان کا قدم ان کے رب کے نزدیک سچائی پر ہے۔کافروں نے کہا یقیناً یہ تو ایک کھلا کھلا جادوگر ہے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَ کُمْ ذِکْرٌ مِّنْ رَّبِکُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْکُمْ لِیُنْذِرَکُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ o (الاعراف 7:64 -) کیا تم نے اس بات پر تعجب کیا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ذکر آیا ہے جو تم ہی میں سے ایک مرد پر اترا ہے تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور تا کہ شاید تم پر رحم کیا جائے۔

ان دونوں ہم مضمون آیات میں منکرین کا یہ ردعمل بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسی پستیوں کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں کہ اپنے اندر ایک نبی کا برپا ہونا ان کیلئے سخت قابل تعجب بات ہوتی ہے۔وہ اس بات سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں کہ ان کو بشارت دینے اور ان کی حالت سنوارنے کیلئے خدا کسی کو بھیج سکتا ہے۔اس زمانے میں دیگر اعتراضات کے ساتھ ساتھ منکرین احمدیت نے یہ استعجاب بھی ظاہر کیا کہ ہندوستان میں نبی کیسے آ سکتا ہے۔یہ نعمت تو عربوں کے ساتھ اور وہ بھی اولاد ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے۔ان کے نزدیک یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ اس روحانی اور اخلاقی طور پر پسماندہ قوم میں کوئی بڑا آدمی پیدا ہو جائے۔وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ چونکہ ہم لوگ اس قدر گر چکے ہیں کہ ہم میں اعلیٰ روحانی مقام رکھنے والا کوئی شخص پیدا نہیں ہوسکتا جو ہمارے ان مصائب اور ذلّت ومحکومی سے ہمیں نجات دے اس لئے اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہمارے نجات دہندہ ہو سکتے ہیں جو ہم میں سے نہیں ہیں اور ماضی بعید کے ان لوگوں میں سے ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ انبیاء کا انتخاب کیا کرتا تھا۔تعجب انگیز بات یہ ہے کہ روحانی طور پر خود کو ماضی کی اقوام کے مقابلے میں نہایت کم تر سمجھتے ہوئے اور اپنی بداعمالیوں اور بدعقیدوں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی وہ ان بدحرکات و بدخیالات کو ترک کرنے پر اور اپنی مدد آپ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ہر دور کے مخالفین اور منکرین انبیاءؑ کا یہ عقیدہ رکھنا ثابت کرتا ہے کہ یہ صرف انکار کا بہانہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو نبی بھیجتا ہی اس وقت ہے جب قوم پوری طرح بگڑ چکی ہو۔مریض چاہے کتنا ہی لاعلاج کیوں نہ ہو چکا ہو، معالج کو دیکھ کر ایک بار تو اس میں جی اٹھنے اور صحت یاب ہونے کی آرزو اور امکان جاگ اٹھتا ہے۔

الٰہی نور کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ o (الصف- 61:9)

وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں حالانکہ اللہ ہر حال میں اپنا نور پورا کرنے والا ہے خواہ کافر ناپسند کریں۔

اس آیت میں منکرین کا ایک اور ردعمل یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس الٰہی مشن کو اپنی کوششوں کے ذریعے ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں اس سعی نامسعود میں کامیابی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ اپنے کام کو مکمل کر کے ہی چھوڑتا ہے چاہے مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ جماعت احمدیہ کے مخالفین پر اس آیت کریمہ کا خاص طور پر اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اس میں مونہوں کے ذریعے یعنی جھوٹے زبانی پروپیگنڈے کے ذریعے مخالفانہ کوششوں کا ذکر ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں آپؐ کے مخالفین جسمانی تشدّد اور جنگوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوششیں کرتے تھے۔ ہمارے مخالفین نے اپنا پورا زور لگایا کہ جھوٹے پراپیگنڈے کے ذریعے اس الٰہی سلسلے کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ اس کیلئے انہیں علمی، سیاسی، اقتصادی اور حکومتی محاذ کھولنے پڑے، یعنی انہوں نے کتاب و سنت سے جماعت احمدیہ کے خلاف دلائل ڈھونڈ ھنے چاہے لیکن انہیں اس کے برعکس وہاں سے جماعت کی تائید میں گواہیاں نظر آئیں، عوام کے جذبات برانگیختہ کئے اور زمین میں فساد برپا کیا لیکن اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا، احمدیوں کے گھر بار جلائے گئے، بائیکاٹ کئے گئے، شہید کیا گیا اور پھر حکومتوں کو ملوث کر کے قانونی طور پر غیر مسلم قرار دلوایا گیا اور تحریر و تقریر اور تبلیغ پر پابندی لگائی گئی۔ گویا ''**سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد**''۔ پھر اس کے بعد یہ کوششیں عالمی سطح پر شروع کر دی گئیں اور یہ اعلانات کئے گئے کہ ''**پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب کیا جائیگا**''۔ گویا اس بات کا اعتراف کیا گیا کہ جماعتِ احمدیہ پوری دنیا میں پھیل رہی ہے۔ انبیاء اور ان کی جماعتیں بھی اللہ کی آیات یعنی اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں ہوتی ہیں اور اللہ کی آیات کو عاجز کرنے کے لیے زمین میں دوڑنے پھرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عذاب کی خبر دیتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُوْلٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ☆ (سبا ۔ 34:39)

اور وہ لوگ جو ہماری آیات کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جانے والے ہیں

جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کو ناکام بنانے کی غرض سے عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت قائم کی گئی اور سادہ لوح مسلمانوں سے ختم نبوّت کے نام پر چندے بٹور کر یورپ اور امریکہ کی سیریں کی گئیں۔ ثبوت کے طور پر ملاحظہ فرمائیں روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والی یہ خبر:

(تحریر پرواز چودھری نمائندہ نوائے وقت)۔۔۔۔۔ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے والی مذہبی قوت خود فرقہ وارانہ انتشار کا شکار ہے۔ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے علماء کرام بیرون ممالک دوروں اور کانفرنسوں میں مصروف ہیں۔۔۔۔۔۔ ہمارے علماء نے دنیاوجاہ وحشمت کیلئے مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے اب ڈیڑھ اینٹ کی تنظیمیں استوار کر لی ہیں اور قادیانیوں کے تعاقب میں

لندن امریکہ اور ہانگ کانگ کے دورے کرنے کا ڈھونگ رچا رکھا ہے مگر اندرون پاکستان بالخصوص ربوہ اور گردونواح کے دیہاتوں میں دورہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔۔۔۔(روزنامہ نوائے وقت لاہور 27 جنوری 1996ء)

ملک چھوڑنے یا عقیدہ چھوڑنے کا مطالبہ کرتے ہیں

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ o

وران لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم ضرور تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تم لازماً ہماری ملت میں واپس آجاؤ گے۔تب ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔(ابراھیم.14:14)ا

اس آیت کریمہ میں منکرین کا ایک ردعمل یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نبی اور اس کے ماننے والوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اس ملک میں اسی صورت میں رہ سکتے ہو اگر تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔بصورت دیگر ہم تمہیں اس ملک سے نکال دیں گے۔ پاکستانی ملاؤں نے بھی اپنے پیشرو مکفرین کی سنت پوری کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ یا تو ملک چھوڑ دو یا اپنا عقیدہ ترک کر کے ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔اس عقیدے کے ساتھ ہم تمہیں اس ملک میں نہیں رہنے دیں گے۔ان ملّاؤں نے خود کو صرف اس مطالبہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ جماعت احمدیہ کو عملی طور پر نیست و نابود کرنے یا پھر ملک سے نکالنے کی مذموم کوششیں بھی شروع کر دیں۔ چنانچہ 1974ء میں، جب وہ دینی اور شرعی طور پر جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اور کافر ثابت کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے جماعت احمدیہ کو ایک آئینی ترمیم کے ذریعے پاکستان کے آئین کی رو سے غیر مسلم قرار دلوا دیا۔اس پر بھی جب ان مخالف علماء کا اصل مقصود پورا نہ ہوا اور خلافت ثالثہ کے بعد خلافت رابعہ نے اپنے الٰہی رنگ دکھانے شروع کئے تو انہیں بڑی فکر دامنگیر ہوئی اور انہوں نے وقت کے آمر کے ذریعے 1984ء میں ایک بدنام زمانہ آرڈیننس جاری کروا کر جماعت احمدیہ کے افراد کے بنیادی حقوق سلب کر لئے اور انہیں نہ صرف ان کے مذہب پر کھلم کھلا عملدرآمد سے روک دیا بلکہ اس کے ساتھ وابستگی کو بھی قانوناً جرم قرار دے دیا گیا۔ان حالات میں حضرت خلیفۃ المسیحؒ الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہزاروں پاکستانی احمدیوں کے پاس ہجرت کے سوا دوسری کوئی راہ نہ بچی تھی۔ جیسا کہ سنّت اللہ ہے کہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی دین کی خاطر ہجرتوں میں بہت برکت اور وسعت ہوا کرتی ہے،اس ہجرت کے نتیجے میں بھی اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو عظیم الشان برکتیں اور وسعتیں عطا فرمائیں۔سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت میں ان حالات و واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَااسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ☆ وَ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ق فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ☆ (البقرہ۔2:115,116)

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے منع کیا کہ اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام بلند کیا جائے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کی۔

(حالانکہ) ان کے لئے اس کے سوا کچھ جائز نہ تھا کہ وہ ان (مسجدوں) میں ڈرتے ہوئے داخل ہوتے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں بہت بڑا عذاب (مقدر) ہے۔ اور اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔ پس جس طرف بھی تم منہ پھیرو وہیں خدا کا جلوہ پاؤ گے۔ یقیناً اللہ بہت وسعتیں عطا کرنے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

جس شخص واحد کا آیت ۔115 کے شروع میں ''اظلم'' یعنی سب سے بڑا ظالم کہہ کر ذکر کیا گیا ہے وہ اس دور کا بدنام آمر تھا ہے جس نے اللہ کی مسجدوں یعنی احمدیہ مساجد سے اللہ کا نام بلند کرنے یعنی اذان دینے پر پابندی لگا دی اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کی۔ پھر اس کے بعد ایسے لوگوں یعنی پولیس اہلکاروں کا ذکر ہے جنہیں مسجدوں میں ڈرتے ہوئے داخل ہونا چاہئے تھا مگر وہ تمام اخلاقی اور دینی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے جوتوں سمیت بعض احمدیہ مساجد میں داخل ہوئے اور ان کے تقدس کو پامال کیا۔ اس گروہ اور اس کے سربراہ کی بداعمالیوں کی دنیا اور آخرت میں سزا کا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کریمہ میں ذکر فرما دیا۔ چنانچہ 1988ء میں اس آمر کی اسی دنیا میں عبرتناک سزا کو تو ہم نے مشاہدہ کر لیا اور اب ملک میں پے در پے ٹوٹنے والی مصیبتیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔ جب ان گری ہوئی حرکات کے نتیجے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ مشرق سے مغرب میں منتقل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور آیت ۔116 میں مذکور'' اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْم '' کی صفات کے ماتحت جماعت کو ایم ٹی اے جیسا عظیم الشان تبلیغی ذریعہ عطا فرما کر بے حساب وسعت عطا فرمائی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک

بیرونی طاقتوں کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگاتے ہیں

سورہ فرقان کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں سچے انبیاء کا ایک معیار یہ بتایا گیا ہے کہ ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ایک دوسری قوم اس کام میں ہمارے خلاف تمہاری مدد کر رہی ہے اور یہ دعویٰ کر کے تم خدا کا نہیں بلکہ اس قوم کا مشن پورا کر رہے ہو۔ آنحضرت ﷺ پر بھی یہی الزام لگایا گیا۔ کبھی کہا گیا کہ رحمٰن یمامہ کا ایک شخص ہے جو آنحضرت ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے اور کبھی یہ الزام لگایا گیا کہ ایک عیسائی غلام جبیر آپؐ کو یہ ساری باتیں بتاتا ہے۔ آپؐ کے غلام اور روحانی فرزند سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی الزام کا نشانہ بنایا گیا کہ آپؑ نعوذ باللہ انگریز کا خود کاشتہ پودا ہیں اور آپؑ کا مشن دراصل ہندوستان میں انگریزی حکومت کا استحکام ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨافْتَرٰهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ ☆ وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ☆ (الفرقان 25:5, 6)

اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں جو اس نے گھڑ لیا ہے اور اس بارہ میں اس کی دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے۔ پس یقیناً وہ سراسر جھوٹ اور ظلم بنا لائے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوا لی ہیں پس یہ صبح شام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سچے ماموروں کے مقابلہ میں جب ان کے مخالفین عاجز آ جاتے ہیں اور ان کی کوئی پیش نہیں چلتی تو وہ کھسیانے ہو کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ تم خود تو ایک کمزور انسان ہو اور ہمارے درمیان بظاہر تمہاری کوئی حیثیت نہیں لیکن تمہاری پشت پناہی کرنے والے لوگ یعنی ایک بیرونی قوم جس کے تم ایجنٹ

ہو، اتنی طاقتور ہے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر یہ قوم نہ ہوتی تو ہم تمہیں مزا چکھا دیتے۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب انگریزی حکومت کی پناہ میں نہ ہوتے اور انہوں نے کسی عرب ملک یا افغانستان وغیرہ میں دعویٰ کیا ہوتا تو ہم انہیں مزا چکھا دیتے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ج وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ز وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ☆ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ط وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ط اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ☆

انہوں نے کہا اے شعیب! تو جو کہتا ہے اس میں سے بہت سا ہم سمجھ نہیں سکتے جبکہ تجھے ہم اپنے درمیان بہت کمزور سا دیکھتے ہیں۔ اور اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم ضرور تجھے سنگسار کر دیتے اور تو ہمارے مقابل پر کوئی غلبہ نہیں رکھتا۔ اس نے کہا اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ طاقتور ہے اور اسے تو تم نے اپنے پیچھے ایک ناقابل اعتناء چیز بنا رکھا ہے۔ یقیناً میرا رب جو تم کرتے ہو اسے گھیرے ہوئے ہے۔ (ھود۔93-11:92)

اس پر نبی کا جواب یہ ہوا کرتا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں خدا کا نام لیکر جھوٹی باتیں کر رہا ہوں اور خدا نے جھوٹے کو ہلاک کرنے کا محکم اعلان بھی کر رکھا ہے تو کیا تمہاری طرح خدا بھی میری پشت پناہی کرنے والی قوم کے مقابلہ میں عاجز ہو چکا ہے اور مجھ جیسے جھوٹے کو ہلاک کرنے پر قادر نہیں رہا، **نعوذ باللّٰہ من ذٰلک**۔ آج برطانوی راج کو ختم ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے اور غیر احمدی مسلمانوں کے پاس وسائل، سیاسی طاقت اور دولت کی بھی کمی نہیں لیکن آج بھی بحمد اللہ جماعت احمدیہ ہی ہر میدان میں کامیاب و کامران ہے اور اس کے مخالفین کا ہر داؤ ناکام و نامراد ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (البقرۃ۔2:250)

کتنی ہی کم تعداد جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے کثیر التعداد جماعتوں پر غالب آ گئیں۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین قرآن میں بیان فرمودہ ان باتوں کو عملی طور پر قصہ پارینہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی قوموں کی یہ نصیحت آموز باتیں صرف قصے کہانیوں کیلئے بیان کی گئی ہیں ورنہ عملی طور پر ہمارے لئے اس میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ اب کسی نبی نے تو آنا نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک واجب العمل اس کتاب میں یہ باتیں اسلئے بتائی گئی ہیں کہ ہم ان قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور جب بھی ہمارے پاس کوئی مامور آ جائے تو اس کے ساتھ ویسا سلوک نہ کریں جیسا ان گذشتہ انبیاء کی قوموں نے کیا تھا۔ لیکن سنت اللہ بہر حال پوری ہو کر رہتی ہے۔ ابتداء سے ماننے والوں اور انکار کرنے والوں کے دو گروہ چلتے آ رہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے دور میں بھی ان انکار کرنیوالوں نے اپنے پیشرؤوں کی سنت پوری کرتے ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الزام لگایا کہ آپؑ انگریزوں کے ایجنٹ ہیں اور آپؑ کو ایسی باتیں سکھائی جاتی ہیں جو آپؑ ہمارے درمیان آ کر بیان کر دیتے ہیں اور یہ کہ اگر آپؑ انگریزوں کے دور میں نہ پیدا ہوئے ہوتے اور وہ آپؑ کی پشت پناہی نہ کر رہے ہوتے تو ہم اس جماعت کا بیج ہی اکھاڑ پھینکتے اور اسے کبھی بھی ایک تناور درخت نہ بننے دیتے۔ ہماری طرف سے ان کو وہی جواب دیا جاتا ہے کہ کیا اللہ

تعالیٰ نعوذ باللہ انگریزوں کے مقابلے میں کمزور ہے کہ ایک جھوٹے مدعی کو ہلاک نہیں کرسکا اور اسے ناکام نہیں بنا سکا۔

کتاب اللّٰہ کو حکم بنانے سے انکار کردیتے ھیں

غیر احمدی علماء کا عموماً اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے علماء کا خصوصی طور پر سوچا سمجھا طریق کار ہے کہ جماعت احمدیہ کے افراد کے ساتھ قرآن کریم کی بنیاد پر گفتگو ہرگز نہیں کرنی۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن کریم جماعت احمدیہ کے ساتھ ہے، اس لئے یہ قرآن کریم کی بنیاد پر بات کرنے اور اسے اپنے اختلافات میں حکم بنانے سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ علامت کفّار اور منافقین کی بتائی ہے کہ وہ کتاب اللہ کو حکم بنانے سے انکار کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلیٰ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا☆ (النّسآء۔4:62)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے پرے ہٹ جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِنَ الْکِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ (آل عمران 3:24)
کیا تو نے ان کی طرف نظر نہیں دوڑائی جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر بھی ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

حرفِ آخر

قارئینِ کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ قرآنِ کریم جہاں ایک طرف معقولی اور منقولی دلائل فراہم کرتے ہوئے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ثابت کرتا ہے وہاں ایک شفّاف آئینہ کی طرح حضورؑ کے مخالفین ومکذّبین کی صورتیں بھی ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس قرآنی آئینہ میں جھانک کر ہر کوئی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہے: مومنین کے یا مکفّرین کے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس مقدس کتاب کو کھول کر پڑھا اور سمجھا جائے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بانی جماعت احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ جات اور تحریریں تو مخالفین کے بقول انہوں نے کسی الٰہی تائید کے بغیر خود لکھی ہیں لیکن یہ کیسے ممکن ہوا کہ آپؑ کے مخالفین ویسی ہی باتیں کریں اور ان سے وہی حرکات سرزد ہوں جو گزشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کرتے چلے آئے ہیں اور جن کے بارے میں قرآنِ کریم نے یہ گواہی دی کہ ہر نبی کے مخالف ایسی ہی باتیں اور حرکتیں کرتے ہیں۔ یقیناً یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ مخالفین سے ان باتوں اور حرکتوں کا سرزد ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے ایک سچے نبی ہیں

قرآنِ کریم کے انہی لاجواب اور محکم دلائل سے تنگ آکر ہمارے معاندین نے جہاں ایک طرف حکومتی اور ریاستی طاقت کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو دبانا چاہا وہاں دوسری طرف عوام الناس کو جھوٹے پروپیگنڈا کے ذریعہ جماعت احمدیہ کے خلاف اکسا کر اور اشتعال دلوا کر قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور انہیں سختی سے منع کر دیا کہ احمدیوں کے ساتھ قرآن وحدیث کی بنیاد پر ہر گز گفتگو نہیں کرنی بلکہ اپنے خود ساختہ معیار کے مطابق محض بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو نشانہ بنانا ہے اور ابلاغِ دین دلائل کی بنیاد پر نہیں بلکہ تشدد اور مار پیٹ کے ذریعہ کرنا ہے۔ چنانچہ مولوی یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، سچی بات تو یہ ہے کہ ابلاغِ دین'' ۔۔۔ فاقتلوہ'' سے ہوتا ہے!'' (تحفۂ قادیانیت جلد ششم صفحہ۔442، از محمد یوسف لدھیانوی، طبع اول مارچ 2005ء، ناشر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔ حضوری باغ روڈ، ملتان)

ہماری طرف سے یہی آخری اور فیصلہ کن جواب ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور ہمارے ذمہ تو کھول کھول کر بات پہنچانے دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب کی طرف رجوع کرنے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن
وَآخِرُ دَعوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

تأثرات

''سلطان القرآن کا مطالعہ کر کے جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء سے بہتر کوئی اور الفاظ ذہن میں نہیں آتے۔ انصر رضا صاحب نے جس محنت اور خلوص سے صداقت حضرت مسیح موعودؑ کو قرآن مجید کی روشنی میں یکجا کیا ہے اس سے ایک صاف دل کو بہت فائدہ ہوگا۔ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ متعلقہ حوالوں کو یکجا کر دیا گیا ہے بلکہ اس سے مستنبط ہونے والے پہلوؤں کو بیان کر کے سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کا جو الزام ہے اس پر بھی عمدہ مدلل محاکمہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس عرق ریزی سے انہوں نے قرآن مجید کو پیش کیا ہے اس سے یہ احساس غالب نظر آتا ہے کہ انہوں نے اپنی علمی مسجع کاری کی بجائے کلامِ الٰہی کو فوقیت دے کر قرآن کی محبت اور اس کے مطالعہ کا چسکا ڈالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ علم دوست احباب یقیناً اس سے مستفید ہونگے۔ نبوت کے مختلف پہلوؤں کا انہوں نے جس طرح احاطہ کیا ہے اس سے ماشاءاللہ نہ صرف اُن کی بالغ نظری ثابت ہوتی ہے بلکہ موضوع پر گرفت بھی متین ہے۔'' مرزا محمد افضل، مربی سلسلہ کینیڈا۔

انصر رضا کا شمار کینیڈا کے ابھرتے ہوئے، بے دار مغز، روشن خیال مصنفین اور قلم کاروں میں کیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب سلطان القرآن انصر رضا کی تیسری تصنیف ہے۔ قرطاس وقلم سے ان کا رشتہ کافی عرصے کا ہے۔ ان کے دل کش وشگفتہ قلم سے نکلے ہوئے علمی و مذہبی مضامین پاکستان اور کینیڈا کے مختلف جرائد کے صفحات کی زینت بن چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے جو بین دلائل کتاب میں پیش کئے گئے ہیں وہ اگر چہ جماعت کے لٹریچر میں پہلے سے موجود ہیں لیکن انصر رضا نے انہی دلائل کو از سرنو ترتیب دے کر بڑی چابک دستی اور علمی مہارت سے نئے رنگ میں پیش کیا ہے۔ کتاب کی سادگی، سلاست اور بے ساختگی انسان کو فوراً مرعوب کر لیتی ہے۔ کتاب کی تدوین وتالیف میں کئی ممتاز اصحاب قلم کی مساعی بھی شامل ہیں جس کا اعتراف مؤلف کتاب نے احسن رنگ میں کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات کو ایک نظر دیکھنے سے ہی دل چاہتا ہے کہ پوری کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے، میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اول وآخر کتاب منطقی دلائل سے لبریز ہے جن کا استنباط قرآن مجید سے کیا گیا ہے۔ پوری کتاب گونا گوں صفات سے مزین ہے۔ کتاب کی بنیاد بھی بڑے اچھے طریقے سے رکھی گئی ہے یعنی اس میں پانچ اہم سوالوں کے مسکت و مدلل جوابات دئے گئے ہیں۔ امیدِ واثق ہے کہ اس خزینۃ المعارف کو علمی، ادبی و مذہبی حلقوں میں بہ نظر تحسین دیکھا جائے گا اور اس کتاب کو لوگ ہاتھوں ہاتھ خرید کر خود بھی فیض یاب ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس خریطہ علم وادب سے آگاہ کریں گے۔ یہ کتاب مؤلف کے وسیع وعمیق مطالعہ، زبردست علمی استعداد کا انکشاف اور قرآن کریم سے استفادہ کا ذوق رکھنے والوں کے لئے ایک نادر علمی شاہکار ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کوشش کو قبولیت عطا فرمائے اور اس کے افادہ کو عام فرمائے۔'' محمد زکریا ورک، بی اے ایل ایل بی، کنگسٹن، کینیڈا

''عزیزم برادرم انصر رضا صاحب نے حقائق کو سامنے رکھ کر بڑے پر اثر انداز میں صرف قرآنِ کریم سے دلائل لے کر نبوت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ پانچ بنیادی سوال جو اکثر گفتگو میں پوچھے جاتے ہیں اور بہت اہم ہیں ان کا جواب قرآن مجید کے حوالے سے دیا ہے۔ جناب انصر رضا صاحب نے قرآنِ کریم سے حوالہ جات دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وحی اور نبوت کا سلسلہ جاری ہے اور اس سے حضرت رسولِ کریم ﷺ کی نبوت کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ یہ

ضروری تھا کہ آنے والا مسیح امّتی نبی ہو۔اس طرح باقی سوال بھی بڑے اہم ہیں کہ ماڈرن دور میں نبوت کی کیا ضرورت ہے اور کسی بھی مدعی نبوت کی صداقت کے قرآنی معیار کیا ہیں۔عزیزم انصر رضا صاحب نے ایک بہت اہم تبلیغی ضرورت کو پورا کیا ہے اور صرف قرآن مجید سے دلائل مہیا کئے ہیں۔خُدا کرے کہ اُن کی یہ کاوش پُر اثر ہو اور وہ سعید روحیں جو حق کی تلاش میں ہیں اُن تک یہ دلائل پہنچیں اور وہ امام الوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آغوش میں امن وسکون کیلئے آجائیں (آمین)۔''ڈاکٹر مرزا محی الدین، ایڈمنٹن، کینیڈا